کشمیری قوم
اپنی منزل کی تلاش میں

جی ایم میر

مکتبہ رضوان، میرپور، آزاد کشمیر

scanned by israr mughal



Information secortary,
jammu kashmir Libration front,
Email: info.secrtary.jklf@gmail.com

مندرجات

تعارف

کشمیر کے معروف دانشور اور محقق جی ایم میر کی ایک اور شاہکار تصنیف ''کشمیری قوم اپنی منزل کی تلاش میں'' منظر عام پر آ رہی ہے۔ کشمیر کے موضوع پر یہ میر صاحب کی چھٹی تصنیف ہے۔ اس سے قبل ان کی پانچ کتابیں ''شاہراہ آزادی'' ''جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں'' ''کوہستان قراقرم سے بحر قزوین تک'' ''کیا مسئلہ کشمیر تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے؟'' طبع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ ''جغرافیائی حقیقتیں'' کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

کشمیر کا مسئلہ بعض عاقبت نااندیش اور مفاد پرست لیڈروں کی ''مہربانی'' سے تقسیم ہند کے ساتھ ہی پیدا ہو گیا تھا۔ گزشتہ 53 سال کے دوران جموں کشمیر کے تمام خطوں کے عوام غلامی کی دلدل میں پھنسے ہوئے حصول آزادی کی راہ میں بے پناہ قربانیاں دے چکے ہیں اور مسلسل دے رہے ہیں۔ لیکن ایک عنصر ایسا اب بھی موجود ہے جو مسئلہ کشمیر کے حل کے راستے میں قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کرتا رہتا ہے۔ یہ حضرات اپنے ذاتی مفادات کی خاطر طرح طرح کے مفروضے اور خود ساختہ الجھنیں پیدا کر کے عوام الناس کو اصل مقصد سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

''مسئلہ کشمیر تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے'' ''کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے'' اور اس نوع کے بے بنیاد مفروضات پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن کشمیری عوام کو آزادی کی نعمت سے محروم رکھنے کی خاطر مفاد پرست عناصر کی ریشہ دوانیاں ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ اب تک مختلف حلقوں میں اس قسم کی بحثیں اکثر سننے میں آتی ہیں۔

☆ قانون آزادی ہند (Indian Independence Act) میں ریاستوں کی خود مختاری کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

☆ اقوام متحدہ کی قراردادوں میں صرف الحاق کا حق دیا گیا ہے، کسی اور آپشن کا ذکر نہیں ہے۔

☆ کشمیر کبھی ایک آزاد ملک نہیں رہا۔

☆ کشمیر کی خود مختاری کا تصور ایک غیر ملکی سازش کا حصہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ تمام اعتراضات انتہائی مجہول اور بے بنیاد ہیں۔ کسی قوم کو محض اس لئے آزادی سے محروم نہیں رکھا جا سکتا کہ فلاں ایکٹ یا فلاں قرارداد میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔ تاہم عوام الناس کے اذہان میں پیدا کیے گئے شکوک و شبہات کو صاف کرنے کے لئے میر صاحب نے زیر نظر کتاب میں نہایت عرق ریزی کے ساتھ تمام سرکاری اور غیر سرکاری ریکارڈز کی چھان بین کر کے مسلمہ حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہو گا کہ میر صاحب کی تصنیف ''جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں'' کو اس سال کشمیر اکیڈمی کی طرف سے ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی آزاد کشمیر کے محکمہ تعلیم نے تمام کالجوں اور ہائی سکولوں کی لائبریریوں کے لئے بھی اس کتاب کی منظوری دی ہے۔ میر صاحب کی ایک اور کتاب ''کوہستان قراقرم سے بحر قزوین تک'' کے بعض حصوں کو ریڈیو چائنہ انٹرنیشنل کی اردو سروس نے چینی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔

جہلم، چناب اور سندھ کے دریاؤں کا کھرب ہا کھرب کیوسک پانی پلوں کے نیچے سے بہہ چکا ہے۔ بلکہ اب تو ہزاروں کشمیریوں کا خون بھی اسی پانی میں شامل ہو چکا ہے۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے منقسم جموں کشمیر کے دونوں طرف کے عوام ہر لحظہ نئے سیاسی شعور اور جذبہ وطن دوستی سے لیس ہو رہے ہیں۔ کشمیری عوام جن کو سامراجی سازش کے تحت منحوس خط متارکہ جنگ / کنٹرول لائن کے ذریعہ جدا کیا گیا ہے، دوبارہ مل بیٹھنے کے جتن کر رہے ہیں۔ وہ ایک ہونا چاہتے ہیں۔ ایک پروقار اور پُرامن قوم کی حیثیت سے اپنی شناخت اور مقام چاہتے ہیں تا کہ وہ اقوام عالم میں مثبت اور ترقی پسندانہ کردار ادا کر سکیں۔ یہ کشمیری عوام کا مقصد ہے اور یہی کشمیری قوم کی منزل ہے جسے اہل جموں کشمیر انشاءاللہ حاصل کر کے رہیں گے۔

مجھے امید ہے کہ میر صاحب کی تازہ تصنیف بھی کشمیری عوام علی الخصوص نوجوان طبقہ میں موجود الجھنوں کو صاف کرنے میں بہت مددگار ثابت ہو گی اور وہ اپنی منزل مقصود کی جانب پُراعتماد طریقہ سے قدم بڑھا سکیں گے۔

ممتاز احمد ہاشمی

حرف آغاز

گزشتہ چند مہینوں کے دوران روئے زمین کے مشرق و مغرب میں چار ایسے اہم واقعات رونما ہوئے ہیں جو سرزمین جموں وکشمیر کے ڈیڑھ کروڑ عوام کو دعوت فکر دیتے ہیں۔

جون کے تیسرے ہفتے میں مشرق کے ایک عظیم تاریخی ملک کوریا کے تقسیم شدہ حصوں جنوبی کوریا اور شمالی کوریا کے سربراہان مملکت نے مذاکرات کے بعد قومی اتحاد و یکجہتی یعنی دونوں حصوں کو ملا کر ایک عظیم کوریائی مملکت کے قیام کا فیصلہ کر لیا ہے۔

جولائی کی 4 تاریخ کو سپر پاور ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اپنی آزادی و خود مختاری کی 224 ویں سالگرہ نہایت تزک و احتشام اور تفاخر کے جذبات کے ساتھ منائی۔

جولائی کی ہی 10 تاریخ سے صدر امریکہ بل کلنٹن کی تحریک پر کیمپ ڈیوڈ کے مقام پر اسرائیل اور فلسطینی عوام کے رہنماؤں نے مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے لئے مذاکرات کا آغاز کیا۔ علاوہ ازیں 3 اکتوبر کو جرمنی کے اتحاد کا دس سالہ جشن منایا گیا جو 45 سال دو ریاستوں میں منقسم رہنے کے بعد 3 اکتوبر 1990 کو ایک مملکت کی شکل میں متحد ہو گیا تھا۔

ہم ان چاروں موضوعات پر علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بات کریں گے اور اس کے بعد اپنی مادر وطن جموں وکشمیر کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیں گے۔

پہلا باب

متحدہ کوریائی ریاست کی تشکیل نو

کوریا کی ریکارڈ شدہ تاریخ پہلی صدی قبل مسیح تک جاتی ہے۔ مشرق کی یہ جزیرہ نما مملکت 2100 سال قبل ایک بادشاہت کی شکل میں موجود تھی۔ 668ء تک یہ اسی حیثیت سے متحد اور موجود رہی۔ اس کے بعد تاریخ کے مختلف ادوار میں کئی بار یہ ملک عظیم چینی سلطنت کے ساتھ منسلک رہا۔ 1894-95ء کی جاپان چین جنگ کے بعد جو عہد نامہ مرتب ہوا اس میں کوریا کی مکمل آزادی و خود مختاری کو تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن 1910ء میں جاپان نے کوریا پر بزور طاقت قبضہ کر لیا جو 1945ء تک قائم رہا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد 1945ء میں پوٹسڈم (Potsdam) کانفرنس میں کوریا کو 38 عرض بلد پر روسی اور امریکی یعنی شمالی اور جنوبی خطوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح کوریا نام کے دو ملک وجود میں آئے جو دونوں اقوام متحدہ کے ممبر بن گئے۔ 10 اگست 1945ء کو روسی فوجیں کوریا میں داخل ہو گئیں اور 8 ستمبر 1945ء کو امریکی فوجیں بھی کوریا میں داخل ہو گئیں۔

جنوبی کوریا

مئی 1948ء میں جنوبی کوریا کو جمہوریہ قرار دیا گیا اور سینگمن ری کو صدر منتخب کرلیا گیا۔ سیول اس مملکت کا دارالحکومت قرار پایا۔ جنوبی کوریا کا رقبہ 38000 مربع میل ہے اور اس کی آبادی 46885000 (46.88 ملین) ہے۔ 1950 میں (5 جولائی کو) شمالی کوریا کی فوجوں نے جنوبی کوریا پر چڑھائی کر ڈالی۔ اس طرح جنگ کوریا کا آغاز ہو گیا۔ اقوام متحدہ کے فوجی دستے امریکہ کی زیر قیادت جنوبی کوریا کی امداد کو پہنچے۔ یہ جنگ تین سال جاری رہی۔ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ کوریا کی جنگ امریکہ کی پہلی محدود جنگ تھی، پہلی غیر اعلانیہ جنگ تھی، اور امریکہ کی پہلی جنگ تھی جسے وہ جیت نہ سکا۔

جنگ کوریا دنیا کی پہلی جنگ تھی جسے دنیا کی دو سپر طاقتیں امریکہ اور روس بالواسطہ جنگ (Proxy War) کے طور پر لڑتی رہیں۔ اس تین سالہ جنگ میں تین ملین (30 لاکھ) لوگ ہلاک ہوئے جس میں 36940 امریکی شامل تھے۔ (جبکہ ویتنام کی 16 سال جنگ میں امریکہ کے 58218 شہری مارے گئے تھے۔) 1953ء میں جنگ بندی عمل میں آئی اور اس کے ساتھ ہی دونوں کوریائی ریاستیں 38 عرض بلد پر مستقل تقسیم ہو کر رہ گئیں۔ سرحد کو بارودی سرنگوں اور خاردار تاروں سے محفوظ بنانے کا اہتمام کیا گیا۔ بعد میں دونوں ریاستوں کو اقوام متحدہ کا ممبر بنا لیا گیا۔

جنوبی کوریا میں سنگمن ری کی حکومت رفتہ رفتہ غیر مقبول ہوتی چلی گئی۔ طلبا نے اس کے خلاف زبردست تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں 26 اپریل 1960ء کو سنگمن ری کو مستعفی ہونا پڑا۔

16 مئی 1961ء کو ایک فوجی بغاوت کے ذریعہ "جنرل پارک چنگ ھی" حکمران ٹولے کا چیئرمین بن گیا۔ 1963ء میں اسے صدر منتخب کرلیا گیا۔ 1972ء کے ایک

ریفرنڈم میں جنرل پارک چنگ ھی کو غیر محدود مدت کے لئے ملک کا صدر بننے کا اختیار دے دیا گیا۔ 26 اکتوبر 1979ء کو کوریا کی سی آئی اے کے چیف نے جنرل پارک چنگ ھی کو قتل کر دیا۔ مئی 1980ء میں ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ جنرل جن دوھوان نے ملک میں مکمل مارشل لاء نافذ کر دیا اور جمہوریت کے حق میں مظاہرے کرنے والے عوام کو "کوانگ جو" میں طاقت کے ذریعہ کچل کر رکھ دیا۔

جولائی 1972ء میں کوریا کے دونوں حصوں میں ملک کو متحد کرنے کے لئے پرامن ذرائع پر کام کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا لیکن 1985ء تک اس میں کوئی پیشرفت نہ ہو سکی۔ 1985ء میں دونوں ملکوں کے مابین اقتصادی معاملات پر تبادلۂ خیال کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔

10 جون 1987ء کو مزدوروں، کارکنوں، دکانداروں اور دیگر متوسط طبقے کے لوگوں نے حکومت کے خلاف مظاہروں میں طلبا کا ساتھ دیا اور جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کیا۔ یکم جولائی 1987ء کو "چن" نے انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ دسمبر 1987ء میں "روہ تائی وو" صدر منتخب ہو گیا۔ 1990ء میں تین بڑی سیاسی جماعتوں نے ایک ہی جماعت میں ضم ہونے کا فیصلہ کرلیا لیکن ایک لاکھ طلباء نے اس اقدام کو غیر جمہوری قرار دے کر اس کے خلاف مظاہرے کیے۔

1993ء میں "کم یونگ سام" نے 1961ء کے بعد پہلی مرتبہ سول صدر کا منصب سنبھالا۔ 26 اگست 1996ء کو سیول کی ایک عدالت نے جنرل چنگ کو بغاوت اور کرپشن کے الزام میں سزائے موت اور روہ تائی وو کو اڑھائی سال قید کی سزا سنائی۔ 18 دسمبر 1997ء کو کم وائے جنگ نے صدارتی انتخاب جیت لیا۔ 22 دسمبر 1997ء کو چن اور روہ کو معافی دیکر رہا کر دیا گیا۔

شمالی کوریا

شمالی کوریا (عوامی جمہوریہ کوریا) کا قیام یکم مئی 1948ء کو کوریا کے ان علاقوں پر عمل میں آیا تھا جن پر جنگ عظیم ثانی میں سوویت روس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اس کا رقبہ 46500 مربع میل ہے اور آبادی 21386000 (21.38 ملین) ہے۔ 1950ء میں شمالی کوریا کی افواج نے جنوبی کوریا کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ تین سال کی جنگ کے بعد چین اور امریکہ کی مداخلت سے جنگ بندی عمل میں آئی۔ اگلی چار دہائیوں کے دوران کم ال سنگ کی قیادت میں اشتراکی حکومت نے سیاسی اقتصادی اور سماجی شعبوں کو مستحکم بنانے کی کوشش کی۔ قدرتی وسائل اور ہائڈرو الیکٹرک پیداوار سے ملک کی فوجی قوت میں بہت اضافہ ہو گیا اور بھاری صنعتوں کا قیام عمل میں آیا۔ شمالی کوریا کے پاس اس وقت بڑی تعداد میں دور مار کرنے والے میزائلوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں نزدیک مار کرنے والے میزائل بھی موجود ہیں جن سے جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

مارچ 1993ء میں شمالی کوریا دنیا کا پہلا ملک تھا جس نے این پی ٹی (NPT) کے معاہدے سے نکلنے کا اعلان کیا۔ تاہم اقوام متحدہ نے اقتصادی پابندیاں لگانے کی دھمکی دی تو جون 1993ء میں شمالی کوریا نے اپنا فیصلہ ملتوی کر دیا۔ 13 اگست 1993ء کو امریکہ اور شمالی کوریا کے درمیان ایک عبوری سمجھوتہ طے پایا جس میں نیوکلیائی مسائل کو حل کرنے کے لئے مزید مذاکرات جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

8 جولائی 1994ء کو کم ال سنگ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹے کم ال جونگ نے سنبھالی۔

17 دسمبر 1999ء کو امریکہ نے کوریا پر سفر کی پابندیاں نرم کر دیں اور کوریا نے دور مار میزائل کے تجربے بند کرنے کا اعلان کر دیا۔

جنوبی کوریا میں اس وقت بھی امریکہ کے 37 ہزار فوجی موجود ہیں تاکہ اسے شمالی کوریا کی زبردست عسکری طاقت اور کسی بھی متوقع حملہ سے بچایا جا سکے۔ اور اب تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی ہے۔ 1972ء میں منقسم کوریا کو پھر سے آپس میں جوڑنے کی جس کوشش کا آغاز کیا گیا تھا وہ اب ایک حقیقت بن کر سامنے آ گئی ہے۔

جون 2000ء کے تیسرے ہفتے میں جنوبی کوریا کے صدر کم وائے جنگ اور شمالی کوریا کے صدر کم ال جونگ نے سارے تکلفات اور تحفظات کو بالائے طاق رکھ کر نہایت گرم جوشی کے ماحول میں شمالی کوریا کے دارالحکومت ''پیانگ یانگ'' میں دونوں حصوں کو متحد کرنے کے مشکل سوال پر نہایت خوش اسلوبی سے مذاکرات کئے اور کوریا کے قومی اتحاد کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ اس سربراہی کانفرنس میں ملک کے منقسم حصوں کو ایک کرنے کا اصولی فیصلہ ہو گیا ہے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دونوں ملک مل کر کام کریں گے۔ شمالی اور جنوبی کوریا کے رہنماؤں کے درمیان پہلے تاریخی سربراہی اجلاس (Summit) اور اس کے نتائج نے ایشیاء سے لے کر امریکہ تک سبھی کو خوشگوار حیرت میں ڈال دیا ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں چین، امریکہ، روس اور جاپان یعنی ''چار بڑوں'' نے سربراہی کانفرنس کے فیصلوں کا خیر مقدم کیا ہے۔

اس دوران کوریا کے دونوں حصوں میں عوامی سطح پر زبردست جوش و خروش اور مسرت و شادمانی کا سماں چھایا ہوا ہے۔ جنوبی کوریا کے صدر کم وائے جنگ پیانگ یانگ پہنچے تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ عوام کی ٹولیاں جگہ جگہ خوشی کے گیت گا رہی تھیں۔ جب کم واپس آئے تو سیول کی سڑکوں پر بھی شادمانی کا یہی سماں تھا۔ جگہ جگہ ایسے پوسٹر اور بینر لگے ہوئے تھے جن پر لکھا ہوا تھا

''ہماری آرزو...... کوریا کا اتحاد اور یکجہتی''

''امن اور قومی یکجہتی کی طرف پہلا قدم''

''ہم تاریخ کے نئے باب کا آغاز کرنے والے ہیں''

''ہمارے لئے یہ نئے دن کا آغاز ہے''

جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول میں شمالی کوریا کی 81 عمر رسیدہ مہاجر خواتین امن اور اتحاد کے حق میں گیت گا رہی تھیں۔ ان میں سے 71 سالہ جنگ لونگ سیل نے کہا نصف صدی قبل پیانگ یانگ سے نکلتے ہوئے ہم سمجھتے تھے ہم صرف چار دن کے لئے جا رہے ہیں لیکن یہ چار دن 50 سال پر پھیل گئے ہیں۔

کوریائی عوام میں قوم پرستی کے جذبات بہت مستحکم ہیں۔ جاپان نے 1910ء سے 1945ء تک کوریا کو اپنی نوآبادی (Colony) بنائے رکھا تھا۔ کوریا کے قوم پرست عناصر میں اس کی یاد اب بھی تازہ ہے۔ چند سال پہلے کوریا میں ایک فیچر فلم بہت مقبول ہوئی تھی۔ فلم کی کہانی یوں تھی کہ ''شمالی کوریا اور جنوبی کوریا متحد ہو کر جاپان پر ایٹمی حملہ کرتے ہیں......''

جنوبی اور شمالی کوریا کے صدور ''کم وائے جنگ'' اور ''کم جونگ ال'' نے پیانگ یانگ میں سربراہی اجلاس کے بعد ایک بڑی دعوت میں دیگر عمائدین کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک گیت گایا۔ جس کا مفہوم تھا: "We are hoping for re-unification"

یعنی ''ہم ملک کے متحد ہونے کی آرزو لئے ہوئے ہیں۔''

یکم اکتوبر 2000ء کو سڈنی اولمپکس کی اختتامی تقریب میں یہ خوش کن منظر دیکھنے میں آیا کہ شمالی کوریا اور جنوبی کوریا کی ٹیمیں اگرچہ الگ الگ مختلف کھیلوں میں حصہ لے چکی تھیں، تاہم انہوں نے کوریا کا اجتماعی نام استعمال کیا اور اختتامی تقریب کے وقت شمالی کوریا اور جنوبی کوریا کی ٹیموں نے کوریا کا ایک ہی جھنڈا اکٹھے تھام رکھا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے گلے ملتے رہے اور کوریائی اور دوسرے تماشائیوں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر ہاتھ

ہلاتے رہے۔

کوریائی عوام کی یہ کامیابی ہم سب کے لئے باعث مسرت واطمینان ہے۔ اس ہماری جدوجہد میں مرکزی نکتہ کوریائی عوام کا اپنا عزم مسلسل اور منزل پر پہنچنے کا غیر متزلزل یقین کامل ہے۔ کشمیری عوام خصوصاً ہماری نوجوان نسل کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر اپنا جائزہ لینا چاہیے۔

دوسرا باب

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی داستان آزادی

پانچ صدیاں قبل تک ساری مشرقی دنیا یعنی براعظم یورپ، افریقہ اور ایشیا مغربی نصف کرہ کے ممالک امریکہ، کینیڈا اور دیگر ممالک کے وجود سے بالکل بے خبر تھی۔ پندرہویں صدی کے اواخر میں یورپی مہم جوئی کا آغاز ہوا تو یکے بعد دیگرے مختلف ممالک اور خطے دریافت ہوتے چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ کرسٹوفر کولمبس ہندوستان کے لئے نئے راستوں کی تلاش میں مغربی نصف کرہ کے قریب جزائر کے ایک مجموعہ تک پہنچا تو اس نے اس مقام کو ہندوستان کے مغرب میں واقع جزائر تصور کیا۔ چنانچہ ان جزائر کا نام اس نے جزائر غرب الہند(WEST INDIES) رکھا۔ ان جزائر کا آج تک یہی نام چلا آرہا ہے۔

12 اکتوبر 1492ء کو کولمبس امریکہ کے مشرقی ساحل کے قریب بہاماز پہنچا۔ یہ مقام امریکہ کے جنوب مشرقی ساحل پر فلوریڈا کے قریب واقع ہے۔ امریکہ کی سرزمین پر کسی یورپی کا یہ پہلا قدم تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے مختلف مقامات کی دریافت کا سلسلہ چل



پڑا۔1524ء میں فرانسیسی مہم جو ''جیووانی ویرازانو'' (Giovanni Verra Zano) ایک مہم لے کر کیرولینا سے شمال کی طرف بڑھتا ہوا نیویارک میں داخل ہوا۔1579ء میں فرانسسز ڈریک (Francies Drake) مغربی ساحل پر سان فرانسیسکو کی خلیج میں داخل ہوا اور ایک برطانوی نوآبادی کی بنیاد رکھی۔1607ء میں کیپٹن جان سمتھ تین جہازوں میں 105 سپاہی لے کر ورجینیا کے ساحل پر اترا اور جیمز ٹاؤن کے نام سے پہلی برطانوی نوآبادی قائم کی۔1624ء میں البانی اور نیویارک کے علاقوں میں ولندیزی نوآبادیاں ''نیونیدرلینڈز'' کے نام سے قائم ہوئیں۔

اس طرح مختلف یورپی ممالک کی نوآبادیاں بنتی چلی گئیں۔ان نوآبادیوں میں آپس میں چپقلش اور بعض اوقات جنگ و جدل تک نوبت پہنچتی رہی۔اس کے ساتھ ہی برطانوی حکومت نے اپنی نوآبادیوں سے واقعتاً نوآبادیاتی سلوک شروع کر دیا۔ان کا استحصال کرنے کے لئے آئے دن نت نئے ٹیکس عائد ہونے لگے۔جس کی وجہ سے ان میں بے چینی اور بغاوت کے آثار پیدا ہونے لگے جو آخر کار تحریک آزادی کی شکل اختیار کر گئے۔ ہم یہاں مختصر طور پر چند مثالیں پیش کر کے اپنی بات کو واضح کریں گے۔

یکم دسمبر 1660ء کو برطانوی پارلیمان نے جہازرانی کا قانون (Navigation Act) پاس کیا جس میں نوآبادیات کے ساتھ تجارت کو اپنے مفادات کے مطابق ضابطوں کا پابند بنایا گیا۔8 ستمبر 1664ء کو برطانوی فوجی دستوں نے نیو نیدرلینڈز پر قبضہ کر لیا۔1676ء میں نیتھانیل بیکن (Nathaneil Bacon) نے برطانوی آمریت کے خلاف کسانوں کی بغاوت کی قیادت کی۔بیکن کا انتقال ہو گیا اور بغاوت ناکام ہوگئی۔بیکن کے 23 ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

6 اپریل 1712ء کو نیویارک میں غلاموں نے بغاوت کر دی۔باغیوں میں سے 21 قتل کر دیئے گئے، 6 نے خودکشی کر لی، 71 کو ملک بدر کر دیا گیا۔

1764ء میں برطانوی حکومت نے شوگر ایکٹ (Sugar Act) نافذ کر کے نوآبادیات میں مختلف خوردنی اشیاء پر ٹیکس لگا دیا۔

1765ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے اپنی افواج کے اخراجات پورے کرنے کے لئے سٹمپ ایکٹ (Stamp Act) پاس کیا۔اسی سال 7 اکتوبر کو نوآبادیوں نے نیویارک میں ایک کانگریس بلا کر عوامی حقوق کا اعلامیہ (Declaration of rights) جاری کیا۔

1767ء میں چائے اور دیگر کئی اشیاء پر ٹیکس لگا دیا گیا۔

1770ء میں برطانوی دستوں نے بوسٹن میں مظاہرہ کرنے والے ایک ہجوم پر گولی چلا دی، پانچ آدمی ہلاک ہوئے۔جن میں مظاہرین کا لیڈر بھی شامل تھا۔یہ واقعہ بوسٹن کا قتل عام (Boston massacre) کہلایا۔مئی 1773ء میں بوسٹن، نیویارک اور فلاڈلفیا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے چائے کے جہاز واپس کر دیئے گئے۔چائے پر لگائے جانے والے ٹیکس کے خلاف 4 اکتوبر کو چائے کے ایک جہاز کو آگ لگا دی گئی اور 16 دسمبر کو بوسٹن میں چائے کا سٹاک جہازوں سے سمندر میں پھینک دیا گیا۔یہ واقعہ بوسٹن ٹی پارٹی (Boston tea party) کہلایا۔

5 ستمبر 1774ء کو فلاڈلفیا میں پہلی براعظمی کانگریس (First continental congress) منعقد ہوئی جس میں برطانوی حکومت کے خلاف (Civil disobedience) شہری عدم تعاون کی قرارداد منظور ہوئی۔

23 مارچ 1775ء کو ورجینیا کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے پیٹرک ہنری (Patrick Henry) نے یہ تاریخی الفاظ کہے۔

Give me Liberty or give me Death

"مجھے آزادی دو یا موت دے دو"

1776ء میں 7 جون کو براعظمی کانگریس میں رچرڈ ہنری لی نے قرارداد پیش کی کہ "ان متحدہ نوآبادیات کو آزاد اور خودمختار رہنے کا حق حاصل ہے۔"

2 جولائی کو یہ قرارداد منظور ہوئی اور 4 جولائی کو اعلان خود مختاری (Declaration of Independence) پر دستخط ہو گئے۔

مارچ 1782ء میں برطانوی کابینہ نے امریکہ کی خودمختاری کو تسلیم کر لیا۔

1789ء میں جارج واشنگٹن امریکہ کے صدر منتخب ہو گئے اور 1796ء میں وہ اس عہدے سے ریٹائر ہو گئے۔ جارج واشنگٹن امریکہ کے عظیم رہنما تھے ان کے بارے میں **First in war, first in peace, first in the hearts of his countrymen** یعنی "جنگ میں بھی اوّل امن میں بھی اوّل اور اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں بھی اول کا مقولہ بہت مشہور ہے۔ واشنگٹن نے عہدہ صدارت سے سبکدوش ہوتے وقت اپنی قوم کو خبردار کیا تھا کہ "کسی غیر ملکی حکومت سے کبھی کوئی مستقل الائنس (اتحاد) نہ بنانا۔

اب ہم 4 جولائی کے اعلان آزادی پر واپس آتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں سے اس اعلان آزادی پر دستخط کرنے والے وطن پرستوں پر برطانوی افواج کے ہاتھوں روا رکھے جانے والے انسانیت سوز وحشیانہ مظالم کا کھوج لگاتے ہیں۔ یہ نہایت دلدوز کہانی ہے اور دنیا بھر کے حریت پسندوں کے لئے سبق آموز ہے۔

ان عظیم لوگوں کی کل تعداد 56 تھی جنہوں نے اعلان پر دستخط کئے۔ یہ نہایت آسودہ حال اور خوش حال لوگ تھے۔ ان میں سے 14 قانون دان تھے، 13 کا تعلق عدلیہ سے تھا یعنی جج تھے، 11 تاجر تھے، 12 زمیندار اور جنگلات کے مالک تھے ایک پادری اور

تین ڈاکٹر تھے۔ دو کا تعلق دیگر معزز پیشوں سے تھا۔ ان سب انقلابیوں نے اعلان آزادی پر یہ جانتے ہوئے بھی دستخط کئے کہ اس کی سزا انہیں گرفتاری اور موت کی شکل میں ملے گی۔

- O ان میں 5 دستخط کنندگان کو برطانوی قابض افواج نے گرفتار کر کے غداری کے الزام میں اتنے ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔
- O بارہ انقلابیوں کے گھر تباہ و برباد کر کے نذر آتش کر دیئے گئے۔
- O دو انقلابیوں کے بیٹے جو انقلابی عسکری دستوں میں کام کر رہے تھے جان سے مار دیئے گئے۔
- O ایک اور انقلابی کے دو بیٹے گرفتار کر کے غائب کر دیئے گئے۔
- O 56 انقلابیوں میں سے 9 عسکری جدوجہد میں شریک رہے اور انقلاب کی اذیت ناک تکالیف اور زخموں سے ہلاک ہو گئے۔
- O ورجینیا کے ایک خوشحال اور مالدار تاجر نے دیکھا کہ اس کے تجارتی جہاز سمندروں میں سے برطانوی بحریہ قبضہ کر کے لے گئی ہے۔ اس نے اپنا گھر اور اپنی بقیہ جائیداد بیچ کر اپنے قرضے ادا کئے اور انتہائی مفلسی کی موت قبول کی۔
- O ایک اور انقلابی تھامس میک کین (Mckean) کا برطانوی فوج نے اس قدر پیچھا کیا کہ اسے بار بار اپنی سکونت تبدیل کرنی پڑی اور اپنے خاندان کو ادھر ادھر منتقل کرنا پڑا۔ وہ کانگریس میں بغیر تنخواہ کام کرتا رہا۔ اس کی فیملی مسلسل روپوشی کے عالم میں رہی۔ اس کا سارا اسباب خانہ لوٹ لیا گیا۔ اور اس کو بقیہ عمر ناداری کے عالم میں گزارنی پڑی
- O برطانوی فوج کے سپاہیوں اور لٹیرے رضا کاروں نے ولیم ایلری (Welliam Ellery) لائمن ہال (Lyman Hall) جارج کلائمر (George Clymer) جارج والٹن (George Walton) بٹن گوینٹ (Button

(Thomas Heyward Jr.) تھامس ہیورڈ جونیئر (Gwinnet
ایڈورڈ رٹلیج (Edward Rutledge) اور آرتھر مڈلٹن (Arthur
Middleton) کی تمام جائیدادیں لوٹ کر تباہ وبرباد کردیں۔

O یارک ٹاؤن کے معرکہ میں تھامس نیلسن (Thomas Nelson) نے نوٹ کیا کہ برطانوی جنرل کارنوالس نے نیلسن کے گھر پر قبضہ کر کے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا ہے۔اس نے خاموشی سے انقلاب کے جنرل واشنگٹن کو مشورہ دیا کہ اس کا گھر گولہ باری سے اڑا دیا جائے۔گھر تباہ ہوگیا اور نیلسن قلاش ہوکر مرا۔

O فرانسیس لیوس (Fracis Lewis) کا گھر تباہ کر دیا گیا اور اس کی بیوی کو جیل میں ڈال دیا گیا۔جہاں وہ چند ماہ بعد خالق حقیقی سے جاملی۔

O جان ہارٹ (John Hart) کو اس کی بیوی کے بستر مرگ سے جدا کر دیا گیا۔اس کے 13 بچے اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ گئے۔جان ہارٹ کے کھیت اور اس کی آٹا پیسنے کی مل تباہ وبرباد کردی گئی۔ایک سال تک وہ جنگلوں اور غاروں میں چھپا پھرتا رہا اور جب وہ گھر واپس آیا تو اس کی بیوی مرچکی تھی اور بچے نہ معلوم کہاں چلے گئے تھے۔اس کے کچھ عرصہ بعد وہ خود بھی نہایت دل شکستگی کے عالم میں فوت ہوگیا۔

O رابرٹ مورس (Robert Moriss) اور فلپ لیونگ سٹون (Philip Levingstone) کو بھی اسی نوع کے حالات سے گزرنا پڑا۔

O 22 ستمبر 1776ء کو برطانوی افواج نے تحریک آزادی کے ایک رہنما ناتھن ہیل (Nathan Hale) کو جاسوسی کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مرنے سے پہلے اس کی زبان سے یہ تاریخی الفاظ ادا ہوئے:

"مجھے افسوس ہے کہ وطن کو دینے کے لئے میرے پاس صرف ایک زندگی ہے۔"

اسی طرح کی قربانیوں سے امریکی انقلاب کے سبھی رہنماؤں کو گزرنا پڑا۔ یہ سب لوگ خوشحال اور تعلیم یافتہ لوگ تھے۔جرائم پیشہ، فسادی یا تخریب کار قسم کے لوگ نہیں تھے۔ یہ سب حکومت برطانیہ کے رعایا تھے اور اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے جس سے حکمرانوں کا تعلق تھا۔امریکہ کے سبھی نوآبادکار لوگ انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ، ویلز اور یورپ کے مختلف ممالک سے آئے تھے۔ان کا مذہب بھی وہی تھا جو حکمرانوں کا تھا۔یہ سب حضرت مسیح کے ماننے والے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ تھے۔اگر یہ خاموش بیٹھے رہتے تو انہیں حکومت میں بڑے بڑے عہدے مل سکتے تھے اور یہ نہایت پرآسائش زندگی گزار سکتے تھے۔لیکن ان عظیم انقلابی لوگوں نے امریکی عوام کو برطانوی سامراج کی لعنت سے نجات دلانے کے لئے 4 جولائی 1776ء کو ملک کے کونے کونے سے فلاڈلفیا کے مقام پر جمع ہوکر کانگریس کے آئینی کنونشن میں شامل ہوکر اعلان خودمختاری پر دستخط کئے۔انہوں نے اپنے آرام وآسائش پر آزادی کو ترجیح دی اور یہ عہد کیا کہ

"اس اعلان آزادی وخودمختاری کی تائید کے لئے پروردگار عالم کی قوت حاکمہ کی حفاظت اور مدد پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے ہم آپس میں یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے حصول مقصد کے لئے اپنی جانوں، اپنی جائیدادوں اور اپنی عزت وناموس کے ساتھ اس کا تحفظ اور اس کی تائید کریں گے۔"

اس عزم واستقلال کے نتیجے میں انقلابی قیادت کو جن مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا ان کا مختصر بیان اوپر کی سطور میں آچکا ہے۔لیکن ان انقلابی قائدین کے سامنے واضح منزل تھی۔اپنے ملک کی آزادی وخودمختاری۔وہ اس منزل کی طرف ثابت

قدمی سے بڑھتے رہے اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اعلان خود مختاری کے 225 سال بعد ترقی و تعمیر کی تمام منزلیں طے کر کے امریکہ دنیا کی سپر طاقت بن چکا ہے۔

تیسرا باب

فلسطینی ریاست کا سوال

تاریخ

جس زمانہ میں لوگ ایک جگہ رہنے کی بجائے تلاش معاش میں چل پھر کر زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ عربستان سے قبیلہ سام کی ایک شاخ جو کنعانی یا فونیقی کہلاتی تھی، 2500 قبل مسیح میں یہاں آکر آباد ہوگئی۔ پھر آج سے 4000 سال پہلے یعنی لگ بھگ 2000 قبل مسیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر ار (Ur) سے جو دریائے فرات کے کنارے آباد تھا ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے اسحٰق علیہ السلام کو بیت المقدس میں، جبکہ دوسرے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام، کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا نام اسرائیل بھی تھا۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بہت سے دیگر پیغمبر اسی سرزمین میں پیدا ہوئے

یا باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے۔ اس مناسبت سے یہ خطہ زمین پیغمبروں کی سرزمین کہلایا۔

ان علاقوں میں عبرانی قومیت (Hebrews) کے لوگوں کی آمد کا نشان ولادت مسیح سے لگ بھگ 1100 سال قبل میں ملتا ہے۔ حضرت سیموئیل جو اللہ کے نبی تھے، پہلے اسرائیلی بادشاہ تھے۔ انہوں نے کافی عرصہ حکومت کی اور جب وہ بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے اللہ کے حکم سے حضرت طالوت علیہ السلام کو بادشاہ مقرر کیا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کے پارہ دوئم میں سورہ بقرہ کی آیات 247 تا 252 میں ملتا ہے۔

حضرت طالوت علیہ السلام نے 1020 قبل مسیح سے 1004 قبل مسیح تک حکمرانی کی۔ اس دوران انہوں نے جنگ کر کے جالوت (Goliath) کو مغلوب کیا اور اس سے تابوت سکینہ واپس لیا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات تھے۔

حضرت طالوت علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے۔ انہوں نے پہلے حیبرون (Hebron) اور پھر بیت المقدس میں اپنا دارالحکومت قائم کیا۔ بیت المقدس دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ یہ دنیا کا واحد شہر ہے جو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مقدس اور محترم ہے۔ اس شہر کا موجودہ نام ''یروشلم'' حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے 1004 قبل مسیح سے 965 ق م تک 33 سال حکمرانی کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے 965 ق م میں حکومت سنبھالی جو 926 قبل مسیح تک 39 سال قائم رہی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد اسرائیل کی متحدہ ریاست دو حصوں سامریہ اور یہودیہ میں تقسیم ہو گئی۔ دونوں ریاستیں ایک عرصے تک باہم دست و گریبان رہیں۔

598 قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے حملہ کر کے یروشلم سمیت تمام علاقوں کو فتح کر لیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بادشاہ اور ہزاروں شہریوں کو گرفتار کر کے بابل میں قید کر دیا۔ 539 قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بابل کو فتح کیا اور قیدیوں کو رہا کر کے لوٹا ہوا مال واپس یروشلم بھیج دیا۔

332 قبل مسیح میں یروشلم پر سکندر اعظم نے قبضہ کر لیا۔ 168 قبل مسیح میں یہاں ایک یہودی بادشاہت کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن اگلی صدی میں روما کی سلطنت نے اسے زیر نگین کر لیا۔ 135 قبل مسیح اور 70 قبل مسیح میں یہودی بغاوتوں کو کچل دیا گیا۔ اس زمانے میں اس خطے کا نام فلسطین پڑ گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اسی شہر میں ہوئی اور مسیحی روایات کے مطابق 16 اپریل 30ء کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں صلیب پر چڑھا دیا گیا۔

(یعقوب نظامی۔ پیغمبروں کی سرزمین صفحہ 208 تا 212)

20 اگست 636ء کو عرب فاتحین نے فلسطین کو فتح کر لیا۔ یہ قبضہ پرامن طریقہ سے عمل میں آیا۔ 463 سال تک یہاں عربی زبان اور اسلام کا دور دورہ رہا۔ تاہم یہودی ایک اقلیت کی حیثیت سے موجود رہے۔ گیارہویں صدی کے بعد یہ علاقہ غیر عرب سلجوق، مملوک اور عثمانی سلطنتوں کا حصہ رہا۔ 1189ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا اور یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

چار صدیوں تک عثمانیوں کی حکمرانی کے بعد 1917ء میں برطانیہ نے اس خطے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اعلان بالفور کے ذریعہ یہودیوں کے لئے ایک قومی ریاست کے قیام کا وعدہ کیا گیا۔

فلسطین کی جانب یہودیوں کی نقل مکانی 17ویں صدی کے اواخر میں شروع ہو گئی۔ 1930ء تک نازی جرمنی کے یہودیوں پر مظالم کی وجہ سے اس میں بہت اضافہ ہو

گیا۔ 1920ء، 1921ء، 1929ء اور 1936ء میں عربوں کی طرف سے یہودیوں کی نقل مکانی اور اس علاقے میں آمد کے خلاف پرتشدد مظاہرے ہوئے لیکن یہ سلسلہ جاری رہا۔

1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعہ فلسطین کو تقسیم کر کے ایک عرب اور ایک اسرائیلی ریاست قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ برطانیہ نے اس علاقے سے 1948ء میں اپنی افواج واپس بلا لیں اور 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کے ساتھ ہی فلسطینی ریاست بھی قائم کر دی جاتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ عربوں نے تقسیم کو نامنظور کر دیا اور مصر، اردن، شام، لبنان، عراق اور سعودی عرب نے نئی اسرائیلی ریاست پر حملہ کر دیا، تاہم وہ اسے ختم کرنے میں ناکام رہے۔ بلکہ اس حملے کی وجہ سے یہودی ریاست کے رقبے میں اور اضافہ ہو گیا۔

1949ء میں اسرائیل نے عربوں کے ساتھ الگ الگ صلح کے معاہدے کئے اس کے بعد اردن نے غرب اردن کے علاقے پر قبضہ کر لیا جب کہ مصر نے غزہ کی پٹی اپنی تحویل میں لے لی۔ تاہم ان دونوں عرب ممالک نے فلسطینیوں کو اٹانومی سے محروم رکھا۔

29 اکتوبر 1958ء کو اسرائیل نے صحرائے سینا پر حملہ کر کے اسے مصر سے چھین لیا۔ اس حملے میں برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے اسرائیل کا ساتھ دیا۔ 6 نومبر کو جنگ بندی عمل میں آئی۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوا جو 19 مئی 1967ء تک قائم رہا جب مصر کے مطالبے پر اقوام متحدہ کے فوجی دستے واپس بلا لئے گئے۔ مصری افواج نے غزہ کی پٹی پر قبضہ کر لیا اور خلیج عقبہ میں اسرائیلی جہازوں کی آمدورفت پر پابندی لگا دی۔

5 جون 1967ء کو چھ روزہ عرب اسرائیل جنگ شروع ہو گئی۔ اسرائیلیوں نے غزہ کی پٹی کے علاوہ صحرائے سینا پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مشرقی یروشلم کا علاقہ، شام کی گولان کی پہاڑیاں اور غرب اردن کا علاقہ بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ 10 جون

کو اقوام متحدہ نے جنگ بندی کرا دی اور معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

16 اکتوبر 1973ء کو یہودیوں کے مقدس دن "یوم کپور" کے موقعہ پر مصر اور شام نے اسرائیل پر حملہ کر دیا۔ اسرائیل نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے شامیوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا اور نہر سویز عبور کر کے مصر پر حملہ آور ہو گیا۔ 24 اکتوبر 1973ء کو جنگ بندی عمل میں آئی اور اقوام متحدہ کی امن فوج نے چارج سنبھال لیا۔ 18 جنوری 1974ء کو اسرائیل نہر سویز کے مغربی کنارے سے واپس چلا گیا۔

3 جولائی 1976ء کو اسرائیلی دستوں نے یوگنڈا میں انٹی بی (Entebe) کے ہوائی اڈے پر یلغار کر کے 103 یرغمالیوں کو آزاد کرا لیا جنہیں عرب اور جرمن شدت پسندوں نے اغواء کر لیا تھا۔

نومبر 1977ء میں مصر کے صدر انور السادات نے اسرائیل کا دورہ کیا اور 26 مارچ 1979ء کو مصر اور اسرائیل نے ایک امن معاہدے پر دستخط کر کے 30 سالہ جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں ممالک میں سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ (تین سال بعد 1982ء میں اسرائیل نے مصر کو صحرائے سینا کا علاقہ واپس کر دیا۔)

جولائی 1980ء میں اسرائیل نے مشرقی یروشلم سمیت پورے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیدیا۔ 7 جون 1981ء کو اسرائیلی جیٹ جہازوں نے بغداد کے قریب عراق کا ایک ایٹمی ری ایکٹر تباہ کر دیا۔ 6 جون 1982ء کو اسرائیلی فوج نے پی ایل او کی مرکزیت کو تباہ کرنے کے لئے لبنان پر حملہ کر دیا۔ مغربی بیروت پر اسرائیل کی تباہ کن بمباری کے بعد پی ایل او نے شہر کو خالی کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ اسی سال 14 ستمبر کو لبنان کے نومنتخب صدر بشیر جمائل کو قتل کر دیا گیا۔

16 ستمبر 1982ء لبنان کے عیسائی شدت پسندوں نے اسرائیل کی مدد سے دو مہاجر کیمپوں میں گھس کر سینکڑوں فلسطینیوں کو ہلاک کر دیا۔ اس سفاکانہ کارروائی پر

اسرائیل کو دنیا بھر میں شدید مذمت کا نشانہ بننا پڑا۔

1989ء میں انتفادہ کے زیر اہتمام فلسطینی حریت پسندوں نے زبردست عسکری کارروائیوں کا آغاز کیا۔ 1991ء کے آغاز میں جنگ خلیج کے دوران عراق نے اسرائیل کو کئی سکڈ میزائلوں کا نشانہ بنایا۔

23 جون 1992ء کو اسحاق رابن (Yizhak Robin) کی لیبر پارٹی کو اسرائیل میں انتخابات میں زبردست حمایت حاصل ہوئی اور ان کی حکومت قائم ہوگئی۔

اسرائیل اور عربوں کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے۔

13 ستمبر 1993ء کو اسرائیل اور پی ایل او کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ پی ایل او نے اسرائیل کے زندہ رہنے کے حق کو تسلیم کرلیا اور اسرائیل فلسطینیوں کو اندرونی خودمختاری دینے پر رضامند ہوگیا۔ نیز غرب اردن کے علاقے اور غزہ کی پٹی پر فلسطین کا اقتدار تسلیم کرلیا۔

25 جولائی 1994ء کو ایک اعلامیہ کے مطابق اسرائیل اور اردن کے مابین واشنگٹن ڈی سی میں دستخط ہوگئے جس کی رو سے 46 سالہ حالت جنگ کا خاتمہ کردیا گیا۔ 26 اکتوبر کو معاہدے پر باقاعدہ دستخط ہوگئے۔

عرب اور یہودی انتہا پسند ہر دور میں امن کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ 25 فروری 1994ء کو ایک یہودی بندوق بردار نے ہیبرون (Habron) کی ایک مسجد میں نمازیوں پر فائر کھول دیا جس کے نتیجے میں 29 افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بعد میں قاتل کو بھی گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔ 4 نومبر 1995ء کو ایک قدامت پرست اسرائیلی یہودی نے اسحاق رابن (Yizhak Robin) کو عین اس وقت قتل کردیا جب وہ تل ابیب میں ایک امن ریلی سے واپس آرہے تھے۔

29 مئی 1996ء کو قدامت پرست لیکود دھڑے کے امیدوار بنجمن نیتن یاہو

اسرائیل کے وزیراعظم منتخب ہوگئے۔ یکم اور 2 اکتوبر 1996ء کو صدر کلنٹن نے اسرائیل اور فلسطین کے رہنماؤں کے درمیان ایک سربراہی ملاقات کا بندوبست کیا اور اس طرح امن مذاکرات کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔

3 اکتوبر 1998ء کو وائٹ ہاؤس میں صدر کلنٹن کی کوششوں سے نیتن یاہو اور یاسر عرفات کے درمیان ایک امن معاہدے پر دستخط ہوگئے جس کے نتیجے میں اسرائیل مغربی کنارے کے مزید علاقے فلسطین کو دینے پر رضامند ہوگیا۔

مغربی کنارہ یا غرب اردن کا کل رقبہ 2270 مربع میل ہے اور اس کی آبادی 1998ء کے اعداد و شمار کے مطابق 1556919 ہے۔ یہ علاقہ اسرائیل نے 1967ء میں اردن سے چھینا تھا۔

غزہ کی پٹی کا رقبہ 140 میل ہے اور اس کی آبادی 1999ء کے اعداد و شمار کے مطابق 1112654 ہے۔ اس علاقہ کو اسرائیل نے 1967ء کی جنگ میں مصر سے چھینا تھا۔ مئی 1994ء تک اس پر اسرائیل کا قبضہ رہا۔

17 مئی 1999ء کے انتخابات میں لیبر پارٹی کے امیدوار یہود براق کو نیتن یاہو کے مقابلے میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور وہ 6 جولائی 1999ء کو اسرائیل کے نئے وزیراعظم منتخب ہوگئے۔

صدر کلنٹن کی ذاتی کوششوں سے اسرائیل اور فلسطینی رہنماؤں کے درمیان امن مذاکرات کا آغاز 10 جولائی 2000ء کو کیمپ ڈیوڈ میں ہوا۔ اسرائیلی وفد کی قیادت وزیراعظم یہود براق نے کی جبکہ فلسطینی وفد کی قیادت یاسر عرفات نے کی۔ صدر کلنٹن بھی مذاکرات میں شریک رہے۔

فریقین کے لئے یہ بہت ہی کٹھن کام تھا۔ اسرائیل کے سب سے بڑے اخبار ''یدیوٹ ایرونوٹ'' (Yediot Ahronot) کے ایک کالم نگار نے لکھا ''وزیراعظم

براق ایوریسٹ سر کرنا چاہتے ہیں لیکن نہ ان کے پاس کوئی رسی ہے نہ سیڑھی" ان مذاکرات میں فلسطینی عوام وہ تمام علاقے واپس لینا چاہتے تھے جن پر اسرائیل نے 1967ء میں قبضہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مشرقی یروشلم پر مکمل اقتدار اعلیٰ کے طلب گار ہیں۔ اسرائیلی یروشلم پر اپنا حق جتاتے ہیں اور اس کی تقسیم کے سخت مخالف ہیں۔

یاسر عرفات عبوری معاہدوں سے تنگ آ چکے ہیں اور حتمی فیصلہ چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 1993ء کے اوسلو معاہدے میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ فلسطین کی ایک خود مختار ریاست ہوگی۔

ان مذاکرات کے دوران یہ اطلاعات بھی آتی رہیں کہ دونوں ملکوں کے عوام امن چاہتے ہیں۔ مذاکرات کے دوسرے دن اطلاع آئی کہ اسرائیلی عوام کی 60 فیصد آبادی امن سمجھوتے کے لئے وزیر اعظم براق کے ساتھ ہے۔ 15 جولائی کو یہ خبر آئی کہ صورتحال حوصلہ افزا ہے اور امن معاہدہ ہو جانے کی صورت میں امریکہ اسرائیل اور فلسطین کو 15 کھرب ڈالر کی امداد دے گا۔

9 دن بعد 19 جولائی کو خبر آئی کہ مذاکرات کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئے ہیں کیونکہ یروشلم کے سوال پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ اس سے اگلے روز 20 جولائی کو پھر یہ اطلاع آئی کہ یاسر عرفات اور یہود براق نے امن کی تلاش میں مذاکرات جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسی دوران امریکہ کی یہ تجویز بھی سامنے آئی کہ یروشلم شہر کو یہودیوں، مسلمانوں اور مسیحیوں کے مشترکہ کنٹرول میں دے دیا جائے۔ تاہم اس پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔

آخر 25 جولائی کو یہ خبر آئی کہ مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں اور دونوں وفود اپنے اپنے وطن واپس روانہ ہو گئے ہیں۔ واپسی پر اسرائیلی وزیر اعظم یہود براق نے یروشلم میں اپنے گھر کے سامنے ایک امن ریلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "میں امن کی کوششیں

جاری رکھوں گا۔" ایک اور اسرائیلی رہنما شلومو بن عامی نے ایک سوال کے جواب میں بتایا: "ہم اس سربراہی کانفرنس میں مسئلہ کے حل کے بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ اب ہمیں اس موقع کو ضائع نہیں ہونے دینا چاہئے۔ یاسر عرفات کا غزہ پہنچنے پر زبردست استقبال ہوا۔ فلسطینی عوام ان کی کارکردگی سے بہت خوش تھے۔ انہوں نے استقبال کرنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "ایک دن یروشلم ضرور فلسطینی ریاست کا دارالحکومت ہوگا۔ یہ ہمارا حقیقی اور دیانتدارانہ موقف ہے۔ اب اسرائیل جو چاہے کہے یا کرے، ہم یروشلم سے دستبردار نہیں ہوں گے۔"

پچھلے چند ماہ میں فلسطین کی تنظیم آزادی پی ایل او کی طرف سے یہ اعلان کئی بار سامنے آیا کہ اس سال کے دوران (یعنی 2000ء میں) فلسطین کی آزاد ریاست کا قیام عمل میں آ جائے گا۔ 3 جون کو رائیٹر کے نمائندے نے غزہ شہر سے اطلاع دی کہ یاسر عرفات نے فلسطین کی مرکزی پالیسی ساز کونسل کو بتایا ہے کہ وہ سال ختم ہونے سے پہلے فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان کرنا چاہتے ہیں۔ کونسل کے 129 میں سے 105 ارکان اس اجلاس میں شریک تھے۔

فلسطین کی مصالحتی ٹیم کے رکن حسن منصور نے بتایا کہ صدر عرفات نے اپنے ارادے کا اظہار کر دیا ہے، اب یہ کونسل کا کام ہے کہ وہ کیا فیصلہ دیتی ہے۔ فلسطین کی 700 رکنی نیشنل کونسل کے سپیکر سلیم زولنون نے بتایا کہ مرکزی کونسل مزید تبادلۂ خیال کے بعد ریاست کے قیام کی تاریخ کا فیصلہ کرے گی۔ یہ تاریخ 13 ستمبر ہو سکتی ہے جو کہ فلسطین اسرائیل امن معاہدے میں حتمی معاہدے کی تاریخ کے طور پر طے ہوئی تھی۔ نیشنل کونسل 15 نومبر کی تاریخ پر بھی غور کر سکتی ہے جو کہ 1988ء میں یاسر عرفات کی طرف سے فلسطینی ریاست کے قیام کا ڈیکلریشن جاری کرنے کی تاریخ کی سالگرہ ہے۔

فلسطین کی آزاد ریاست کا سوال فلسطین، اسرائیل اور امریکہ کی حکومتوں کے

مابین بار بار زیر غور آتا رہا ہے۔ گویا آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو اصولی طور پر سبھی نے تسلیم کر رکھا ہے۔ صرف بعض ذیلی اختلافات کی وجہ سے معاملہ رکا ہوا ہے۔ اب کیمپ ڈیوڈ کے مذاکرات ختم ہو گئے ہیں لیکن فلسطینیوں کی جدوجہد ختم نہیں ہوئی۔ ان کے سامنے ایک واضح اور درخشاں منزل ہے وہ اسے ضرور حاصل کر کے رہیں گے۔

چوتھا باب

وفاقی جمہوریہ جرمنی، تقسیم واتحاد کی کہانی

وفاقی جمہوریہ جرمنی وسطی یورپ کی ایک عظیم مملکت ہے۔ اس کا رقبہ **137735** مربع میل ہے اور آبادی 8 کروڑ 10 لاکھ 88 ہزار ہے۔ اس کے شمال میں ڈنمارک، جنوب میں سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا مشرق میں چیک ری پبلک اور پولینڈ، مغرب میں نیدرلینڈ، بیلجیم، لکسمبرگ اور فرانس ہیں۔ دارالحکومت برلن ہے جس کی آبادی **3.4** ملین (**34** لاکھ) ہے۔ دوسرے بڑے شہروں میں ہیمبرگ آبادی **16** لاکھ، میونخ آبادی **12** لاکھ اور کولون آبادی **10** لاکھ شامل ہیں۔

صنعتوں میں فولاد، جہاز سازی، موٹر گاڑیاں، مشینری، الیکٹرانک اور کیمیکلز شامل ہیں۔ زرعی پیداوار میں اناج، آلو اور چقندر قابل ذکر ہیں فی کس سالانہ آمدنی **17400** ڈالر ہے۔

تاریخ

55-53۔ قبل مسیح میں جولیس سیزر نے مختلف جرمن قبائل کو شکست دے کر اپنے

زیر نگیں کرلیا۔ 9 عیسوی میں سلطنت روما کی شمال کی طرف پیش قدمی کو روک دیا گیا۔ شاہ شارلیمین (Charlmagne) نے سیکسن، بویرین، رائینش، فرینکش اور دوسرے علاقوں کو متحد کر کے ایک حکومت قائم کی جو جرمن ایمپائر کی حیثیت حاصل کر گئی۔ 1618-48ء کی تیس سالہ جنگ نے جرمنی کو چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں میں تبدیل کر دیا۔

نپولین کے بعد آسٹریا نے پرشیا کے علاقے پر بالادستی حاصل کرنے کے لئے بہت جدوجہد کی لیکن 1866ء میں سات ہفتوں کی جنگ میں پرشیا سے شکست کھا گیا۔ 1867ء میں پرشیا کے چانسلر بسمارک نے شمالی جرمنی کا وفاق قائم کر لیا۔ 1870ء میں بسمارک نے نپولین سوئم کو جنگ پر اکسایا۔ لیکن فرانس کی شکست کے بعد اس نے جرمن ایمپائر کے قیام کا اعلان کر دیا۔ 18 جنوری 1871ء کے اعلان ورسیلز کے مطابق پرشیا کے ولہیلم اول (Wilhelm-I) کو قیصر (Kaisar) کا خطاب دے کر جرمنی کا شہنشاہ بنانے کا اعلان کر دیا گیا۔ جرمن ایمپائر عالمی جنگ عظیم اول 1914-18ء سے قبل اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی اور اس کا رقبہ نوآبادیات کو چھوڑ کر 208780 مربع میل تک پہنچ گیا تھا۔

جنگ عظیم اول کے اختتام پر جرمنی کو کئی علاقوں سے دستبردار ہونا پڑا۔ جن میں لورین (Lorriane) کا علاقہ فرانس کے حق میں، مغربی پرشیا اور پوزمان (Pozman) کا صوبہ پولینڈ کے حق میں اور شلزوگ (Schilswig) کا ایک حصہ ڈنمارک کے حق میں چھوڑنے کے علاوہ تمام نوآبادیوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

1919-33ء کے دوران جرمنی ایک جمہوریہ قرار پایا، پہلی اور دوسری رائش (Reich) کے دوران فریڈرک ایبرٹ (Ebert) اور جنرل پال ہینڈن برگ یکے بعد دیگرے صدر منتخب ہوئے۔

تیسری رائش (Reich) 1933ء سے 1945ء تک

پہلی جنگ عظیم کے بعد ایڈولف ہٹلر نے نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی جو عرف عام میں نازی پارٹی کہلائی کی قیادت سنبھالی۔ 30 جنوری 1933ء کو صدر ہینڈن برگ نے ہٹلر کو جرمنی کا چانسلر مقرر کیا۔ 3 اگست 1934ء کو ہینڈن برگ کی وفات کے بعد کابینہ نے صدر اور چانسلر کے عہدوں کو ایک کر دیا اور ہٹلر کو فیوہرر (Fuehrer) کا خطاب دے کر اپنا قائد قرار دیا۔ ہٹلر نے آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تنظیم سازی پر پابندی لگا دی۔ یہیں سے جبر و تظلم کا ایک طویل دور شروع ہوا جس میں لاکھوں یہودیوں اور مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ہٹلر نے معاہدہ ورسیلز اور دیگر تمام معاہدے منسوخ کر دیئے۔ اُس نے ملک میں لام بندی شروع کر دی اور 1938ء میں آسٹریا پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا۔

میونخ میں اس نے برطانوی وزیراعظم چیمبرلین کے ساتھ اس معاہدے پر دستخط کیے۔ جس کی رو سے جرمنی کو چیکوسلواکیہ کے ایک حصہ پر قبضہ کرنے کا اختیار مل گیا۔ 1933ء میں اس نے روس کے ساتھ عدم جارحیت کے ایک معاہدے پر دستخط کیے اور یکم ستمبر 1939ء کو اس نے پولینڈ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جو کہ دوسری عالمی جنگ کا نکتہ آغاز ثابت ہوا۔ جنگ میں مکمل طور پر شکست کھا جانے کے بعد اپریل 1945ء میں ہٹلر نے خودکشی کر لی۔

عالمی جنگ کے اختتام پر جرمنی دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ مشرقی جرمنی پر روس کی بالادستی قائم ہو گئی جبکہ مغربی جرمنی امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے زیر کنٹرول رہا۔ تقسیم کے 45 سال کے دوران جرمنی کے دونوں حصوں کی صورتحال اسی طرح رہی۔

مشرقی جرمنی

4 اکتوبر 1949ء کو اس خطے کو جرمن ڈیموکریٹک ری پبلک کا نام دیا گیا۔ 1954ء میں اسے مکمل خود مختاری مل گئی۔ 1960ء کی دہائی میں مشرقی جرمنی زبردست معاشی بحران کا شکار ہو گیا۔ 1970ء کی دہائی میں صنعت کو زبردست ترقی دی گئی لیکن دہائی کے آخر تک پیداوار میں کمی واقع ہوگئی جس کی وجہ ملک میں قدرتی وسائل اور افرادی قوت کی کمی تھی۔ اکتوبر 1989ء میں ملک میں بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوئے جس کے نتیجے میں 13 اکتوبر کو صدر ایرک ہائیکر کو مستعفی ہونا پڑا۔ 23 اگست 1990ء کو مشرقی جرمنی کی پارلیمنٹ نے جرمنی کے اتحاد کے حق میں فیصلہ دے دیا اور 3 اکتوبر 1990ء کو جرمنی پھر سے متحد ہو گیا۔

مغربی جرمنی

اس خطے کو وفاقی جمہوریہ جرمنی کے نام سے 23 مئی 1949ء کو قائم کیا گیا۔ بون کو مغربی جرمنی کا دارالحکومت قرار دیا گیا۔ قابض طاقتوں امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے 21 ستمبر 1949ء کو شہری حقوق بحال کیے۔ 5 مئی 1955ء کو مغربی جرمنی مکمل خود مختار جمہوریہ بن گیا۔

14 ستمبر 1949ء کو ڈاکٹر ایڈنائر کو ریاست کا چانسلر منتخب کر لیا گیا۔ 1953ء، 1957ء اور 1961ء میں انہیں پھر سے منتخب کیا جاتا رہا۔ 26 اکتوبر 1969ء کو ولی برانٹ چانسلر منتخب ہو گئے۔ مئی 1974ء میں انہیں ایک جاسوسی سکینڈل کے نتیجہ میں عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔ 1950ء کی دہائی میں مغربی جرمنی میں زبردست اقتصادی ترقی ہوئی۔ 1990ء میں ہیلمٹ کوہل کی قیادت میں مغربی جرمنی نے ملک کے اتحاد کے لئے بڑی تیزی سے قدم بڑھائے۔ مغربی اتحادیوں نے 1951ء میں جرمنی کے ساتھ حالت جنگ

کے خاتمے کا اعلان کیا تھا۔ روس نے 1955ء میں یہی قدم اٹھایا۔ مشرقی جرمنی والوں نے 1961ء میں مشرقی اور مغربی برلن کے درمیان ایک دیوار تعمیر کی تھی جو دیوار برلن کہلائی۔ 28 سال بعد 19 نومبر 1989ء کو مشرقی جرمنی کی حکومت نے اپنی سرحدیں کھولنے کا اعلان کر دیا جسے بدنام زمانہ دیوار برلن کے خاتمے کی طرف اشارہ سمجھا گیا۔ فروری 1990ء میں اوٹاوہ میں جرمنی کو دوبارہ متحد کرنے کے لئے بات چیت کا آغاز ہو گیا۔ چار بڑے ممالک امریکہ، روس، برطانیہ اور فرانس کے علاوہ مشرقی اور مغربی جرمنی کے وزرائے خارجہ اصولی طور پر جرمنی کے اتحاد کے لئے متفق ہو گئے اور اس سلسلہ پر سربراہی اجلاس بلانے کا فیصلہ ہو گیا۔

3 اکتوبر 1990ء کو دونوں جرمن ریاستوں کا ادغام عمل میں آیا۔ 11 اگست 1994ء کو روسی افواج کے جرمنی سے مکمل انخلاء کے سلسلہ میں تقریبات منعقد ہوئیں اور اس سے اگلے ہفتے اتحادی ممالک امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی افواج کے انخلاء کے سلسلے میں اسی قسم کی تقریبات منعقد ہوئیں۔

3 اکتوبر 2000ء کو جرمنی کے اتحاد کو دس سال پورے ہو گئے ہیں۔ جرمنی کے عوام اور حکومت ہر سال اس تاریخ کو جشن کے طور پر مناتے ہیں۔ بڑی طاقتوں نے جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد جرمنی کی زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ جرمن عوام کے دلوں کو تقسیم نہ کر سکے۔ دونوں خطوں کے عوام کے دلوں میں دوبارہ متحد ہونے کی خواہش موجود رہی چنانچہ اسی زبردست خواہش کے نتیجہ میں 1990ء میں جرمنی پھر متحد ہو گیا اور اقوام متحدہ میں اپنا شاندار کردار ادا کرنے لگا۔ پچھلے دس سال میں جرمنی ہر میدان میں زبردست تعمیر و ترقی کر چکا ہے اس وقت جرمنی کو یورپ میں ایک لیڈر کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جرمن قوم کی اس کامیابی سے کشمیری عوام کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

پانچواں باب

کشمیری قوم کا ماضی

پاکستان کے ایک نامور سیاسی رہنما پیر پگاڑا صدر فنکشنل مسلم لیگ، ایک کشمیری لیڈر کی دعوت پر آزاد کشمیر کے دورے پر آئے۔ اِس دورہ میں انہیں آزاد کشمیر کے بعض حسین مقامات کی سیاحت کا موقعہ ملا۔ واپس پاکستان پہنچنے پر کسی نے ان سے اُن کے دورہ کے تاثرات پوچھے تو انہوں نے جواب دیا:

''کشمیر جا کر ہماری ایک غلط فہمی دور ہوگئی ہے۔ ہم نے تو کشمیریوں کی بڑی تعریف سنی تھی کہ بڑی ذہین اور عقل مند قوم ہے لیکن آزاد کشمیر جا کر ہمیں معلوم ہوا کہ یہ تو بڑی کم عقل قوم ہے''

سوال کرنے والے نے حیران ہو کر پوچھا کہ جناب یہ نتیجہ آپ نے کیسے اخذ کیا؟ موصوف نے جواب دیا:

''آزاد کشمیر میں ہم نے کئی جگہ دیواروں اور چٹانوں پر ایک نعرہ لکھا دیکھا ہے'' خود مختاری ہے غداری'' اب آپ ہی کہیئے جو قوم خود



مختاری کو غداری قرار دے کیا اسے عقل مند قوم کہا جاسکتا ہے؟''

کیا واقعی کشمیری قوم اپنی آزادی'' خود مختاری سے اس قدر الرجک ہے کہ اسے غداری قرار دے رہی ہے؟ اس پر ہم ذرا آگے چل کر بات کریں گے۔ پہلے ذرا اس خطہء جنت نظیر کے جغرافیہ اور اس کے باشندوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

(الف) کشمیر کی قدیم تاریخ

ریاست جموں کشمیر تاریخی لحاظ سے نہایت شاندار ریکارڈ کی حامل ہے ۔ہندوستان کے ایک سابق صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن نے جو ایک بلند پایہ سکالر تھے ایک بار کہا تھا کہ جہاں ہندوستان جیسے عظیم ملک کو اپنی قدیم تاریخ کے لیے رامائن اور مہابھارت پر انحصار کرنا پڑتا ہے کشمیر ایک ایسا خوش نصیب خطہ ہے جس کی پانچ ہزار سال پر محیط تاریخ تحریری شکل میں موجود ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کشمیر میں نیلہ مت پران اور راج ترنگنی کی شکل میں تاریخ کا ایک قیمتی ذخیرہ موجود ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں نہیں ملتی۔

نامور کشمیری مورخ پنڈت کلہن نے اپنی مشہور عالم تصنیف ''راج ترنگنی'' کا آغاز 2400 سال قبل مسیح کے واقعات سے کیا تھا۔ یہ تاریخ کشمیری سن 4224 میں لکھی گئی جو سپت رشی سن بھی کہلاتا تھا۔ اکبر اعظم کے دور حکومت میں اس تاریخ کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ بعد میں دیگر مختلف زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ راج ترنگنی پانچ ہزار اٹھاسی 5088 سال پر محیط ہے۔

(محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 3)

کشمیر کے زمانہ حال کے نامور دانشور پروفیسر محی الدین حاجنی کی تحقیق کے مطابق کشمیری کیلنڈر دنیا کا دوسرا قدیم ترین کیلنڈر ہے۔ قدیم ترین کیلنڈر عبرانیوں

(یہودیوں) کے کیلنڈر کو قرار دیا گیا ہے جس کا آغاز 3760/61 سال قبل مسیح میں ہوا تھا۔

کشمیری کیلنڈر کا آغاز اس کے 685 سال بعد۔ 3075 قبل مسیح میں ہوا۔

(پروفیسر محی الدین حاجنی۔ مقالات صفحہ 95)

کشمیر میں یہ کیلنڈر صدیوں تک رائج رہا۔ پھر بعض حکمرانوں نے اپنے اپنے ادوار میں دوسرے کیلنڈر رائج کئے۔ پہلے مہاراجہ بکرماجیت کے بکرمی کیلنڈر نے اس کی جگہ لی۔ مسلمانوں کی حکمرانی کا آغاز ہوا تو ایک نئے کشمیری کیلنڈر کا آغاز سلطان صدرالدین (رینچن شاہ) کے قبول اسلام سے کیا گیا۔ مغل شہنشاہ اکبر نے 1586ء میں کشمیر کو تسخیر کیا تو اس نے اپنے سن جلوس (تخت نشینی) سے نئے کیلنڈر کو رواج دیا۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ حقیقی کشمیری کیلنڈر کا آغاز 3075 قبل مسیح میں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے سال رواں (2001)ء کشمیری کیلنڈر کا 5076 واں سال ہے۔

(ب) خصوصی جغرافیائی حیثیت

جغرافیائی لحاظ سے جموں کشمیر کا محل وقوع ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے شمال میں کوہستان قراقرم کا طویل سلسلہ جس کی بلندی سطح سمندر سے 28000 فٹ تک جاتی ہے، کشمیر کو شمال کی طرف سے حملہ آوروں اور سائیبریا کی ہواؤں سے محفوظ کئے ہوئے ہے۔ مغرب میں کوہستان ہندوکش کے سلسلے اسے وسط ایشیا کی طرف سے حملہ آوروں سے بچائے ہوئے ہیں۔ جنوب اور مشرق میں ہمالیہ کے سلسلہ ہائے کوہ نے اسے اپنے تحفظ میں لیا ہوا ہے۔ کشمیر کی اس جغرافیائی خصوصیت کا بیشتر مورخین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے ۔تیموری دور کے مورخ شرف الدین نے اپنی مشہور عالم تصنیف ''ظفر نامہ'' میں لکھا ہے:

''اس ملک کو چاروں طرف سے کہستانی سلسلوں نے اپنے تحفظ میں لیا ہوا ہے اور اس کے باشندے کسی قسم کی قلعہ بندیوں کی زحمت

اٹھائے بغیر دشمنوں کی یلغار سے محفوظ و مامون ہیں۔"

(شرف الدین۔ظفر نامہ بحوالہ تاریخ بامزئی جلد نمبر ا صفحہ ۱۰)

گیارہویں صدی کے آغاز میں سلطان محمود غزنوی نے کشمیر کو تسخیر کرنا چاہا تو اس مہم میں مورخ ابوریحان البیرونی اس کے ہمراہ تھا۔ کشمیر تو فتح نہ ہو سکا لیکن مورخ البیرونی نے کشمیر کی خاطر خواہ سیاحت کی اور اس کے حالات اپنی مشہور زمانہ "تصنیف کتاب الہند" میں درج کیے۔ البیرونی لکھتا ہے۔

"کشمیری باشندے قدرتی طور پر اپنے ملک کی محفوظ حیثیت کو، جو اسے فلک بوس پہاڑوں اور نا قابل عبور راستوں کے سبب حاصل ہے، قائم رکھنے کے خواہش مند ہیں اور وہ کشمیر میں داخل ہونے والے تمام راستوں، سرحدوں اور دروں کی حفاظت کرتے ہیں۔"

(محمد امین پنڈت، کشمیر کی مختصر تاریخ۔صفحہ ۱۰۱)

مغل شہنشاہ اکبر کے نورتنوں میں سے ایک رتن، وزیر اور مورخ ابوالفضل تھا۔ اس نے اپنی تاریخ اکبر نامہ میں لکھا:۔

"چاروں اطراف بلند و بالا کوہستانی سلسلے، جن کی چوٹیاں آسمانوں کو چھوتی ہیں، سنتریوں کا کام دیتے ہیں۔ اگرچہ کشمیر میں داخل ہونے کے چھ سات راستے موجود ہیں لیکن اگر چند عمر رسیدہ خواتین بھی بلندیوں سے پتھر لڑھکانا شروع کر دیں تو بہادر سے بہادر آدمی بھی یہاں سے گزرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے اکثر بیرونی حکمرانوں نے کشمیر کو فتح کرنے کا خیال تک دل میں نہ لایا اور مصلحت بینی نے انہیں اس خواہش سے دور رکھا۔"

(ابوالفضل۔اکبرنامہ بحوالہ کشمیران دی کراس فائر صفحہ ۲۰)

کشمیر بحیثیت آزاد و خود مختار مملکت

اس مختصر جغرافیائی تعارف کے بعد اب ہم پھر تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کشمیری مورخ خواجہ سیف الدین پنڈت نے موجز التواریخ کے نام سے کشمیر کی تاریخ فارسی زبان میں 1906 میں شائع کی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ان کے بیٹے محمد امین پنڈت نے "مختصر تاریخ کشمیر" کے نام سے 1990ء شائع کیا۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں کشمیر میں مسلم دور کے آغاز سے قبل کے 162 حکمرانوں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے، جن کی حکمرانی کی کل مدت 4445 سال بنتی ہے۔ اس تمام مدت میں سوائے اشوک کی 51 سالہ حکمرانی کے کشمیر مکمل آزاد و خود مختار رہا۔ ان راجاؤں میں للتادت اور اونتی ورمن جیسے اولو العزم فرماں روا بھی شامل تھے۔

للتادت پہلا کشمیری حکمران تھا جس نے عظیم پڑوسی ملک چین کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ للتادت نے 724 سے 761 تک کل 37 سال حکمرانی کی۔ سکندر اعظم کی طرح اسے بھی سارے جہان کو فتح کرنے کی آرزو تھی۔ اس نے اپنی سلطنت کو بہت وسعت دی۔ اس نے قنوج، تبت، بدخشاں اور بہت سے دوسرے علاقوں کو فتح کیا۔ کلہن کہتا ہے:

"دریا اپنے منبع سے نکل کر اپنی منزل کی تلاش میں آگے بڑھتے رہتے ہیں اور آخر کار سمندر ان کی آخری منزل ہوتی ہے۔ لیکن جنہیں فتوحات کا شوق ہو، ان کے لیے کوئی منزل آخری نہیں ہوتی۔"

(پی این کے بامزئی۔ کشمیر کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری صفحہ نمبر ۱۲۱)

اونتی ورمن 855ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے اندرونی طور پر ملک کو ترقی دے کر بام عروج پر پہنچایا۔ سوپور شہر اسی کا آباد کیا ہوا ہے، جو اس نے اپنے ایک وزیر سویا کے نام پر بسایا تھا۔

روداسلام کے بعد چک خاندان کے آخری بادشاہ یعقوب شاہ چک تک کل 35 سلاطین نے حکمرانی کی۔ یہ تمام سلاطین بھی خود ومختار حکمران تھے۔ ان میں سلطان شہاب الدین اور سلطان زین العابدین جیسے عظیم فرماں روا بھی شامل تھے۔ سلطان شہاب الدین 1359ء میں اقتدار میں آیا اور 19 سال تک حکومت کی۔ اس نے 1372ء میں پچاس ہزار سوار اور 5 لاکھ پیدل فوج لے کر ملک سے باہر فتوحات کے لیے قدم رکھا۔ پہلے لاہور اور ملتان پر پیش قدمی کر کے ان دونوں علاقوں کو تسخیر کیا۔ اس کے بعد دہلی کی طرف قدم بڑھائے۔ دہلی کے حکمران فیروز شاہ تغلق نے اس کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا گیا۔ چنانچہ 775 ہجری (مطابق 1374 عیسوی) میں فیروز شاہ تغلق اور سلطان شہاب الدین کے مابین ایک عہد نامہ پر دستخط ہو گئے جس کی رو سے کشمیر سے سرہند تک کے سارے علاقے پر سلطان شہاب الدین کی حکمرانی تسلیم کر لی گئی

(مکمل تاریخ کشمیر محمد دین فوق، صفحہ 321-322)

علامہ اقبالؒ نے اسی اولوالعزم حکمران کے بارے میں کہا تھا:

عمر ہا گل رخت بر بست و کشاد
خاک مادیگر شہاب الدین نزاد

ترجمہ کتنی ہی بار پھولوں نے لباس پہنے اور اتارے یعنی بہاریں آتی اور جاتی رہیں لیکن ہماری سرزمیں نے دوسرا شہاب الدین پیدا نہ کیا۔

سلطان زین العابدین 1427 میں تخت پر بیٹھا اور 51 سال تک حکمرانی کی۔ اُس نے ہر شعبہ زندگی میں کشمیر کو ترقی دے کر بام عروج پر پہنچایا۔ اس کا دور حکومت کشمیر کی تاریخ کا درخشاں ترین دور سمجھا جاتا ہے۔ زین العابدین کے دور حکومت میں مذہبی رواداری عروج پر رہی۔ کشمیر کے تمام باشندے جس طرح چاہیں عبادت کرنے کے لیے آزاد تھے۔ جن ہندو مندروں کو اس سے قبل نقصان پہنچایا گیا تھا، اُن کی مرمت کی گئی یا

انہیں از سر نو تعمیر کیا گیا۔ ہندو بچوں کے لیے پاٹھ شالائیں کھولی گئیں تا کہ وہ اپنی مذہبی کتابوں کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ ہندو شہریوں کی خواہش پر گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگا دی گئی۔

(ولیم بیکر، وادیٔ مسرت وادی موت صفحہ ۱۶)

چھٹا باب

دورِ غلامی کا آغاز

کشمیر کی ہزاروں سال کی آزادی وخود مختاری کا دور 1586ء میں اختتام کو پہنچا، جب یوسف شاہ چک کے دور حکومت میں دہلی کے شہنشاہ اکبر نے کشمیری امرا کی دعوت پر فوج کشی کر کے کشمیر کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ 1586 کے بعد مختلف ادوار میں کشمیریوں کے لیڈر حضرات بیرونی ممالک سے خود دعوت دے کر آقاؤں کو بلاتے رہے ہیں۔اور پھر ان آقاؤں کی حکمرانی میں استحکام کا سبب بنتے رہے ہیں۔اس نکتہ پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے سولہویں صدی کے اواخر میں کشمیر پر چک خاندان کی حکمرانی تھی۔اس خاندان کے ایک بادشاہ یوسف شاہ چک نے جو اہل تشیع مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا کسی بات پر ناراض ہو کر اہل سنت کے ایک عالم قاضی موسیٰ کے قتل کا حکم دے دیا۔ سنیوں میں اس کا شدید ردعمل ہوا اور بادشاہ کے اس ظالمانہ اقدام کا اپنے طور پر کوئی



مداوا کرنے کی بجائے سنی عالموں کا ایک وفد پڑوسی ملک ہندوستان کے شہنشاہ اکبر کے پاس کشمیر فتح کرنے کی دعوت دینے دہلی جا پہنچا۔ اس زمانہ میں عوام کی رہنمائی کا فریضہ علما اور امراء کا طبقہ سرانجام دیا کرتا تھا۔ چنانچہ کشمیری لیڈروں کے اس وفد میں شیخ یعقوب صرفی بابا داؤد خاکی اور حیدر چک شامل تھے۔ 1586 میں اکبر اعظم نے مرزا قاسم میر بحر کو چالیس ہزار سوار اور 20 ہزار پیادہ فوج دے کر کشمیر کی تسخیر پر روانہ کیا۔ کشمیری رہنماؤں نے مغل افواج کی پوری مدد اور معاونت کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ شیخ یعقوب صرفی اور حیدر چک کو فوجی دستوں کی رہنمائی کے لیے ساتھ بھیج دیا گیا۔

(محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 487)

مغلوں نے کشمیر کی تسخیر کے بعد مقامی فوج میں کشمیریوں کی بھرتی پر پابندی عائد کی اور انہیں مکمل طور پر غیر مسلح کرنے کی کوشش کی۔ ایک اور فرمان کے ذریعہ کشمیریوں کو ظالمانہ طریقہ سے زمین کے حقوق ملکیت سے محروم کر دیا گیا۔ مغلوں کے بعد آنے والے غیر ملکی فاتحیں کے خاندانوں نے بھی یہ پابندیاں برقرار رکھیں۔

(ولیم بیکر، وادی مسرت وادی موت ص ۱۶)

مغل حکمرانی کشمیر پر 167 سال قائم رہی۔ 18ویں صدی کے وسط میں جب مغل حکومت کی چولیں ڈھیلی پڑ گئیں تو ان کے جور وستم سے تنگ آئے ہوئے کشمیریوں کو ان سے رستگاری کی پھر وہی ترکیب سوجھی جس کی بنیاد 1586 میں شیخ یعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی نے رکھی تھی۔ چنانچہ 1747 میں کشمیری امرا نے کابل کے حکمران احمد شاہ ابدالی کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور کشمیر کی صورتِ حال کی طرف اس کی توجہ دلائی۔ 1748 میں محمد شاہ خان کشمیری کابل پہنچا اور بعد میں میر مقیم کنٹھ اور خواجہ ظہیر دیدہ مری نے خط و کتابت کے ذریعہ احمد شاہ ابدالی کو فوج کشی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ والئی کابل نے لاہور سے عبداللہ خان ایشک اقاصی کو فوج دیکر کشمیر روانہ کیا، جس نے 1753ء

میں کشمیر پر قبضہ کر کے افغان حکومت کی بنیاد رکھی۔ عبداللہ خان ایشک اقاصی کے تسخیر کشمیر کے بارے میں کسی شاعر نے کہا:

نا گہاں چوں بلائے دامن گیر
شاہ قاصی رسید در کشمیر

(محمد دین فوق، مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 628)

افغانوں کا تسلط 66 سال قائم رہا۔ کشمیری عوام کے ساتھ اس دور میں کیا کچھ بیتی اس دور کے ان اشعار سے واضح ہوتی ہے۔

شامت اعمال سے افغان حاکم ہو گئے
آئے وہ اور طالع بیدار اپنے سو گئے

............oOo............

پر سیدم از خرابی گلشن زباغباں
افغاں کشید و گفت کہ افغاں خراب کرد

(دوسرے مصرعے کا پہلا ''افغاں'' آہ وفغاں کا مرکب ہے۔ یعنی جب میں نے مالی سے اس کے باغ کی ویرانی کا سبب پوچھا تو اس نے ایک آہ بھر کر فریاد کی کہ افغانوں نے برباد کر دیا)

ولیم ڈبلیو بیکر نے کشمیر پر افغانوں کے 66 سالہ دور حکومت کو کشمیر کی تاریخ کا سیاہ باب قرار دیا ہے۔ افغان گورنر غیر مہذب اور اکثر اوقات بے ڈھنگے ثابت ہوتے تھے اور کشمیریوں سے غیر انسانی سلوک کرتے تھے۔ سر والٹر لارنس کا حوالہ دیتے ہوئے بیکر نے لکھا ہے:

''یہ دور ظلم و جبر کا دور تھا جس میں کوئی اچھا شاہانہ اور باعزت کام نہیں کیا گیا افغانوں کے نزدیک انسان کا سر قلم کرنا بالکل ایسا تھا جیسے

پھول توڑنا۔''

(ولیم بیکر، وادی مسرت وادی موت صفحہ ۱۷)

1818ء میں جب افغان تسلط کے **66** سال پورے ہو چکے تھے۔ کشمیری امرا کو آقاؤں کی تبدیلی کی ایک بار پھر ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ پھر کشمیریوں کا ایک وفد لاہور کے حکمران رنجیت سنگھ کے دربار میں جا پہنچا اور اسے تسخیر کشمیر کی دعوت دے ڈالی۔ وفد میں مسلمان اور ہندو دونوں فرقوں کے نمائندے شامل تھے۔

(محمد دین فوق، مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 704)

پنڈت پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

''ایک کشمیری پنڈت جاگیردار بیربل در دو مسلمان زمینداروں ملک کامدار اور ملک نامدار کے تعاون سے درہ پیر پنچال عبور کر کے رنجیت سنگھ کے دربار میں پہنچا اور اسے کشمیر پر فوج کشی کی دعوت دی۔''

(پریم ناتھ بزاز۔ تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر صفحہ 134)

ولیم بیکر کے مطابق کشمیر کے نئے آقا بدترین جابر ثابت ہوئے۔ یہ کشمیریوں کے لیے ماضی کے مغلوں اور افغانوں کے ساتھی نکلے۔ سکھوں کے ظلم وستم کے دور نے بڑی تلخ یادیں چھوڑیں۔ انہوں نے اپنے عہد میں متعدد مساجد خانقاہیں اور مسلم درسگاہیں بند کر دیں یا ان پر قبضہ کرلیا۔ گائے کو ذبح کرنے کے جرم کی سزا موت قرار پائی۔ مجرم کو پھانسی پر لٹکایا جاتا تھا یا پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔

(ولیم بیکر، وادی مسرت، وادی موت صفحہ 17)

سکھ دور حکمرانی کے بارے میں مورخ محمد دین فوق لکھتے ہیں:

''افغانوں کی حکومت اگر تلخ گھونٹ تھی تو خالصہ بہادر زہر میں بجھے ہوئے تیر نکلے۔ ان کے دور میں کشمیر کی جو حالت ہوئی اس کو ایک

کشمیری شاعر کے اس شعر میں بیان کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔''

لرزہ بر جان مرد و زن افتاد
خلق را شور محشر آمد یاد

یعنی تمام مردوں اور عورتوں پر لرزہ طاری ہو گیا اور خلق خدا کو محشر یاد آ گیا۔

(منشی محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 705)

لاہور کے سکھ دربار کی حکمرانی **1819**ء سے **1846**ء تک **27** سال قائم رہی۔

ولیم مورکرافٹ (**William Moorcraft**) نے **1824**ء میں کشمیر کا دورہ کیا۔ اس نے لکھا سکھ کشمیریوں کو مویشیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اگر کسی مقامی آدمی کو کوئی سکھ قتل کر دے تو قاتل کو حکومت سولہ سے بیس روپے تک جرمانہ کرتی تھی اس میں سے مقتول کے خاندان کو اگر وہ ہندو ہو تو چار روپے اور اگر مسلمان ہو تو دو روپے ادا کیے جاتے تھے۔

(ولیم بیکر۔ وادی مسرت وادی موت ص 17-18)

ساتواں باب

شخصی حکمران کا دور۔ بیداری کا آغاز

1846 میں انگریزوں سے شکست کھا کر سکھوں نے تاوان جنگ میں کشمیر کی ریاست انگریزوں کو پیش کی۔ جنہوں نے 75 لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض اسے جموں کے ایک مقامی راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس طرح ریاست غیر ملکی مکمل حکمرانی سے نکل کر ایک مقامی جاگیردار کی شخصی اور مطلق العنان حکمرانی میں آ گئی۔

ڈوگرہ شخصی راج ریاست میں ایک صدی تک جاری رہا۔ اس دوران دنیا میں بدلتے ہوئے حالات کے نتیجہ میں کشمیر میں بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ بڑے شہروں میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ مواصلات کے سلسلے قائم ہوئے اور عوام میں بیداری کی لہر پیدا ہو گئی۔ 1920 میں سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا۔

1931 میں جموریت اور حکومت خود اختیاری کے لیے باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔ چنانچہ برصغیر کی 564 ریاستوں میں سے کشمیر پہلی ریاست تھی جہاں ایک قانون ساز اسمبلی کا قیام عمل میں آیا۔



ریاست میں دو بڑی سیاسی جماعتیں نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس سرگرمی سے کام کرنے لگیں۔ اس سلسلہ میں مسلم کانفرنس کے جولائی 1946 کے سالانہ کنونشن میں اتفاق رائے سے منظور شدہ ایک قرارداد کا ذکر بے جا نہ ہوگا جسے قرارداد آزاد کشمیر کے نام سے موسوم کیا گیا۔ قرارداد میں مہاراجہ ہری سنگھ سے مطالبہ کیا گیا کہ

''موجود زائد المیعاد اسمبلی کو برخواست کر کے اس کی جگہ ایک ایسی آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جو بالغ رائے دہی کے اصولوں پر منتخب کی گئی ہو جس میں معاشرے کے ہر فرقے اور ہر قومیت کے لوگوں کو اپنی آبادی کے تناسب سے اپنے نمائندے چننے کا اختیار ہو۔ مجوزہ اسمبلی کو ریاست جموں کشمیر کا آئین مرتب کرنے کا اختیار ہونا چاہیئے۔''

(محمد یوسف صراف، کشمیریز فائٹ فار فریڈم جلد اصفحہ 694-95)

چنانچہ مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمید اللہ خان نے 28 مئی 1947 کو جموں میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا کہ

''ہم سب کے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلم لیگ اور کانگریس دونوں سے الگ تھلگ رہیں۔ ہم ہندوستان اور پاکستان دونوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں کے ساتھ سیاسی اور معاشی تعلقات رکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم ان دونوں میں سے کسی کو اپنے اوپر اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات اچھے ہوں گے اور حکمران ہندو خاندان کی موجودگی میں بھارت کے ساتھ بھی خوشگوار تعلقات ہوں گے۔''

(کشمیریز فائٹ فار فریڈم، خواجہ یوسف صراف صفحہ 707-708)

اس سے قبل مسلم کانفرنس کے مرکزی صدر چودھری حمید اللہ خان نے 10 مئی 1947ء کو ایک بیان میں مہاراجہ سے درخواست کی تھی کہ وہ بلاتاخیر ریاست کی مکمل آزادی و خودمختاری کا اعلان کر دے اور ایک دستور ساز اسمبلی بلائے تا کہ ریاست کے عوام اپنی خواہش کے مطابق دستور مرتب کر سکیں۔ اس بیان میں مزید کہا گیا تھا کہ ''اگر مہاراجہ اس پالیسی پر عمل کرے تو وہ ریاست کے مسلمانوں کی حمایت اور ان کے تعاون پر انحصار کر سکتا ہے۔ ریاست میں مسلمانوں کی آبادی 80 فیصد ہے اور مسلم کانفرنس ان کی ایک بااختیار منظم تنظیم ہے۔ مسلمان عوام مہاراجہ کا جمہوری اور آزاد کشمیر کے پہلے آئینی بادشاہ کی حیثیت سے پر جوش خیر مقدم کریں گے۔''

چودھری حمید اللہ کا یہ بیان مسلم لیگ کی ریاستوں کے بارے میں اس پالیسی کے عین مطابق تھا کہ وزارتی مشن کے منصوبہ کے مطابق ریاستی حکمران قانونی طور پر اپنی مکمل آزادی وخودمختاری کا اعلان کر سکتے ہیں۔

(زاہد چودھری۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد 3 صفحہ 141)

مورخ محمد سرور عباسی لکھتے ہیں:

''چنانچہ چوہدری حمید اللہ خان نے مہاراجہ کشمیر کو یہ مشورہ دیا کہ فوراً ریاست کو آزاد اور خود مختار قرار دیا جائے نیز ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے تا کہ عوام اپنی خواہشات کے مطابق اپنا دستور تیار کریں۔''

(تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ از محمد سرور عباسی)
(بحوالہ ہفت روزہ کشمیر جلد 18 شمارہ 44)

اس بات کی تائید سردار محمد ابراہیم خان نے بھی کشمیر ساگا میں ان الفاظ میں کی:

''بہرحال آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری

حمید اللہ خان کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا گروپ ایسا تھا جو ہندوستان اور پاکستان دونوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ریاست جموں کشمیر کی مکمل آزادی اور خودمختاری کا حامی تھا۔"

(سردار محمد ابراہیم، کشمیر ساگا صفحہ 34)

آٹھواں باب

1947ء کے بعد

جولائی 1946 کی قرارداد آزاد کشمیر اور صدر مسلم کانفرنس چوہدری حمید اللہ خان کے بیانات میں کشمیری قوم کے لیے ایک واضح منزل کی نشان دہی کی گئی تھی اور ایک ایسی آئینی بنیاد فراہم کرنے کی سفارش کی گئی تھی جس پر کشمیر کے مستقبل کی عمارت تعمیر کی جا سکتی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے مسلم کانفرنس خود ہی اس منزل سے دور ہٹتی چلی گئی اور جذبات کی رو میں بہہ کر اپنا راستہ گم کر بیٹھی۔

مسلم کانفرنس کی جولائی 1946 والی قرارداد آزاد کشمیر کے بعد اکتوبر 1947 میں ریاست جموں کشمیر کی آزاد حکومت کا قیام ایک اور انقلابی اقدام تھا۔ یہ حکومت 4 اکتوبر 1947 کو قائم کی گئی اور 24 اکتوبر کو اس کی تشکیل نو کی گئی جس میں سردار محمد ابراہیم خان کو عبوری حکومت کا صدر مقرر کیا گیا۔ اس بارے میں جو اعلامیہ جاری ہوا اس میں واضح کیا گیا کہ

"حکومت کی تشکیل نو عمل میں لائی گئی ہے اور ہیڈ کوارٹر کو پلندری منتقل

کر کے مسٹر ابراہیم بیرسٹر کو حکومت کا عارضی صدر مقرر کیا گیا ہے۔ نئی حکومت ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کی متحدہ آواز کی ترجمان ہے تا کہ عوام کو ظالم اور غاصب ڈوگرہ خاندان سے نجات دلائی جا سکے۔ آزادی کی تحریک جس نے اس حکومت کو جنم دیا ہے 1919 سے جاری ہے۔ عارضی حکومت جو ریاست کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے رہی ہے ایک فرقہ وارانہ حکومت نہیں ہے۔ اس حکومت کی عارضی کابینہ میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شامل ہوں گے ۔حکومت کا مقصد سر دست ریاست میں نظم ونسق کی بحالی ہے۔ تا کہ عوام اپنی رائے سے ایک جمہوری آئین ساز اسمبلی اور نمائندہ حکومت چن لیں۔ یہ حکومت ہمسایہ مملکت ہائے ہندوستان و پاکستان کے لیے دوستی اور خیر سگالی کے جذبات رکھتی ہے اور امید کرتی ہے کہ دونوں مملکتیں کشمیری عوام کی فطری آرزوئے آزادی کے ساتھ پوری پوری ہمدردی کریں گی۔ عارضی حکومت ریاست کی جغرافیائی سلامتی اور سیاسی انفرادیت برقرار رکھنے کی متمنی ہے۔"

(روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور۔25 اکتوبر 1947)

تقسیم ہند کے بعد کشمیر کی لیڈر شپ جذبات میں بہہ نہ جاتی اور متحد ہو کر مستقبل کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لیتی تو آج کشمیری قوم بے یقینی کی اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتی۔ یہ وہ وقت تھا کہ کشمیر اپنا کھویا ہوا مقام واپس حاصل کر لیتا اور ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے اقوام عالم کی صفوں میں ایک باوقار سٹیٹس حاصل کر لیتا۔ قانون آزادی ہند **(Indian Independence Act)** کے تحت 15 اگست 1947ء کو کشمیر ایک خود مختار مملکت کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ اس کی یہ حیثیت 26 اکتوبر 1947 تک قائم رہی۔

اب صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ ریاست کا حکمران مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیر اعظم رام چندر کاک ریاست کو خودمختار رکھنے کے لیے دن رات کام کر رہے تھے لیکن کشمیری عوام کے لیڈروں کی ایک کھیپ پرانی روایات برقرار رکھتے ہوئے آقاؤں کی تلاش میں دہلی کی طرف دوڑ پڑی جب کہ دوسری کھیپ نے کراچی کا رخ کیا۔ علامہ اقبال نے کسی ایسے ہی موقعہ کے لیے کہا تھا۔

کشمیری کہ بابندگی خو گرفتہ
بتے می تراشد زسنگ مزارے

یعنی کشمیریوں کو غلامی کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اور کچھ نہیں ملتا تو کسی قبر کے پتھر کو بت بنا کر پوجنے لگتے ہیں۔) چنانچہ اس طرح 1947 میں کشمیری قوم ایک نئی دہری غلامی کے بندھنوں میں جکڑی گئی۔

سردار محمد ابراہیم خان (صدر آزاد کشمیر) نے فروری 1987 میں ایک اخباری انٹرویو میں انکشاف کیا کہ

"ایک بات صاف نظر آتی ہے کہ جب مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کو آزاد و خودمختار رکھنے کی سیاسی لڑائی لڑ رہا تھا، کشمیری رہنما ریاست کی تقسیم کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔"

"مہاراجہ ایک تدریجی عمل کے ذریعہ پارلیمانی جمہوریت کے مراحل طے کر رہا تھا اس نے کانگریس اور مسلم لیگ کی اعلیٰ ترین قیادت کے ساتھ معاہدہ جاریہ (جوں کی توں صورت حال) کی شکل میں ریاست کے مستقبل کے بارے میں اہم اصول طے کر لیے

کوشش تو یہ ہوگی کہ یہ مسئلہ تا صبح قیامت یونہی لٹکا رہے اور ان کے وظیفے چلتے رہیں۔ ان کے سامنے کوئی منزل نہیں ہے۔ ان کی منزل ان کے ذاتی مفادات ہیں۔ چونکہ یہ لوگ کسی واضح منزل کی نشان دہی نہیں کر سکتے اس لیے عوام الناس کو ان کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے

بقول شاعر

کوئی منزل ہی جب نظر میں نہیں
پھر ہو کیوں میرے ہم رکاب کوئی

(نذیر انجم)

نوواں باب

قانون آزادی ہند اور ریاستوں کا مستقبل

حال ہی میں ایک شادی کی تقریب میں جس میں خاصی تعداد میں تعلیم یافتہ لوگ اور طلبہ شامل تھے، کشمیر کی صورتحال پر بحث چل پڑی دوران گفتگو کشمیر کی ایک آزاد و خود مختار ریاست کے قیام کا خیال بھی زیر بحث آیا۔ مجلس میں موجود ایک ریٹائرڈ فوجی افسر نے اس خیال پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے ایک سازش قرار دیا۔ محفل میں موجود ایک قانون دان نے بھی فوجی افسر کے موقف کی تائید کی اور دعویٰ کیا کہ قانونی اور آئینی لحاظ سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے اور قانون آزادیٔ ہند میں جس کا بقول ان کے انہوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے، ریاستوں کی خود مختاری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اتنے میں کھانے کا وقت ہو گیا اور یہ بحث ختم ہوگئی۔ تاہم کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دوستوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ اس موضوع پر تحقیق کر کے اصل حقائق سامنے لاؤں تاکہ عوام الناس خاص کر نوجوان طبقہ کی صحیح رہنمائی ہو سکے۔

اگلے صفحات اسی فرمائش کی تعمیل میں ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔

دوسری عالمی جنگ 45-1939ء کے خاتمہ کے بعد برطانیہ میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آئی تو حکومت نے ہندوستان سے رخصت ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ مستقبل کے آئینی اور قانونی حالات کا جائزہ لینے اور ہندوستان کے سیاسی لیڈروں سے بات چیت کرنے کے لئے برطانوی کابینہ کے تین اراکین پر مشتمل ایک وفد کو 1946ء میں ہندوستان روانہ کیا گیا۔ وفد میں سرسٹیفورڈ کرپس، سرپیتھک لارنس اور سراے ای الیگزانڈر شامل تھے اور اسے کیبنٹ مشن Cabinet Mission کا نام دیا گیا تھا۔

مشن نے 12 مئی 1946ء کو والیان ریاست کی تنظیم چیمبر آف پرنسز کے سربراہ کے سامنے اپنی سفارشات ایک میمورنڈم کی شکل میں پیش کیں۔ مشن نے ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں اپنی سفارشات کو ان الفاظ میں پیش کیا۔

''جب برطانوی ہند میں نئی خودمختار حکومت یا حکومتیں وجود میں آ جائیں گی تو ہنر مجسٹیز گورنمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ تاج برطانیہ کے ساتھ ریاستوں کے تعلقات کے نتیجہ میں جو استحقاق وجود میں آئے تھے ان کا اختتام ہوجائے گا اور ریاستوں کا اقتدار اعلیٰ انہیں واپس مل جائے گا۔

(PL Lakhnpal Essential Documents on Kashmir Page 29)

20 فروری 1947ء کا اعلان

20 فروری 1947ء کو ہنر مجسٹیز گورنمنٹ نے ایک اعلان کے ذریعہ جون 1948ء تک ہندوستان کا اقتدار اعلیٰ ہندوستانی نمائندوں کے ہاتھوں میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اعلان میں انتقال اقتدار کے لئے تفصیلی پروگرام کی وضاحت کی گئی۔

اعلان کی شق نمبر 18 میں ہنر مجسٹیز گورنمنٹ نے اس بات کی وضاحت کی کہ جن

فیصلوں کا اس بیان میں اظہار کیا گیا ہے ان کا تعلق صرف برطانوی ہند سے ہے اور

''ریاستوں کے بارے میں حکومت برطانیہ کی پالیسی وہی رہے گی جو کہ کیبنٹ مشن کے 12 مئی 1946ء والے میمورنڈم میں بیان کی گئی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔''

(ایضاً صفحہ 34)

معاہدہ جاریہ (Stand Still Agreement)

14 جون 1947ء کو نئی دہلی کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے تمام ریاستوں میں متعین Residents کے نام ایک خط میں ریاستوں اور نئی حکومتوں کے مابین عبوری دور کے لئے معاہدہ جاریہ (Stand Still Agreements) کے فارمولا کی وضاحت کی۔

(ایضاً صفحہ 36)

کشمیر پاکستان معاہدہ جاریہ

12 اگست 1947ء کو وزیراعظم جموں کشمیر سٹیٹ (پنڈت رام چند کاک) نے سردار عبدالرب نشتر چیئرمین سٹیٹس ڈیپارٹمنٹ پاکستان کے نام ایک ٹیلیگرام بھیجا۔ جس کا متن یہ تھا:

''جموں کشمیر حکومت برطانوی ہند کی حکومت کے ساتھ موجود تمام معاملات کے ضمن میں پاکستان کے ساتھ معاہدہ جاریہ کو خوش آمدید کہے گی۔ چنانچہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ تفصیلات طے پانے اور نئے معاہدے کے نفاذ تک موجودہ انتظامات برقرار رہیں گے۔''

اس کے جواب میں 15 اگست 1947ء کو حکومت پاکستان کے سیکرٹری خارجہ نے وزیراعظم کشمیر کے نام حسب ذیل ٹیلیگرام بھیجا:

"بحوالہ آپ کے ٹیلیگرام مورخہ 12 اگست 1947ء حکومت پاکستان جموں کشمیر کی حکومت کے ساتھ تمام تفصیلات طے ہونے اور نئے معاہدے کے نفاذ تک موجودہ انتظامات کو جاری رکھنے کے لئے معاہدۂ جاریہ کرنے سے اتفاق کرتی ہے۔"

(ایضاً صفحہ 45)

یاد رہے ہندوستان اور کشمیر کے مابین ایسا کوئی معاہدۂ جاریہ عمل میں نہیں آیا۔

قانون آزادیٔ ہند Indian Indipendence Act

برطانوی پارلیمان نے 17 جولائی 1947ء کو قانون آزادی ہند منظور کر لیا اور 18 جولائی کو شاہ برطانیہ نے اس کی منظوری دی۔

قانون کی دفعہ نمبر 1 میں 15 اگست 1947 کو برطانوی ہندوستان کو تقسیم کر کے دو مملکتوں (Dominions) بھارت اور پاکستان کے نام سے قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

دفعہ نمبر 2 شق نمبر 2 میں ان علاقوں کا ذکر کیا گیا جو پاکستان میں شامل ہوں گے۔ ان میں مشرقی بنگال، مغربی پنجاب، سندھ، برطانوی بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ شامل تھے۔

دفعہ نمبر 7 شق (ب) میں کہا گیا کہ

"نئی مملکتوں کے قیام کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستوں پر ہز مجسٹی شاہ برطانیہ کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی ریاستوں کے حکمرانوں اور ہز مجسٹیز گورنمنٹ کے مابین وہ تمام معاہدے اور

سمجھوتے جو اس قانون کے منظور ہونے کے وقت زیر عمل ہوں گے از خود منسوخ ہو جائیں گے۔ اس طرح سے تاج برطانیہ کی ریاستوں کے بارے میں تمام ذمہ داریاں اور ریاستوں یا ان کے والیان کے ساتھ تاج برطانیہ کے کیے ہوئے تمام عہد و پیمان، اختیارات، حقوق اور قانونی دائرہ اختیارات اختتام کو پہنچ جائیں گے۔"

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا خطاب

25 جولائی 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے ریاستی حکمرانوں کی تنظیم چیمبر آف پرنسز (Chamber of Princes) سے خطاب کیا اور قانون آزادی ہند کے بارے میں وضاحتیں پیش کیں۔

انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

"یہ میرا آپ سے پہلا خطاب بھی ہے اور آخری بھی۔" انہوں نے کہا، میرے سامنے دو ذمہ داریاں تھیں جن سے مجھے عہدہ برآ ہونا تھا۔ پہلی ذمہ داری یہ تھی کہ برطانوی ہند کو اقتدار اعلیٰ کیسے منتقل کیا جائے اور دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ اس منظر نامہ کے سانچے میں ہندوستانی ریاستوں کو تمام متعلقین کے اطمینان اور انصاف کے مطابق کیسے ڈھالا جائے۔"

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

"کیبنٹ مشن کے 12 مئی 1947ء کے میمورنڈم کو تمام ریاستوں نے اجتماعی طور پر منظور کر لیا ہے اور ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے 3 جون 1947ء کے اعلان کو بھی قبول کر لیا ہے۔ اس طرح

انہوں نے اس حقیقت کا مکمل طور پر ادراک کر لیا ہے کہ تاج برطانیہ کے اقتدارِ اعلیٰ اٹھا لینے کے نتیجہ میں تمام ریاستیں اپنی مکمل حاکمیت اعلیٰ کی مالک ہو جائیں گی۔"

انہوں نے مزید کہا:

"اب جبکہ قانون آزادیٔ ہند تمام ریاستوں کو تاج برطانیہ کے ساتھ کیے گئے تمام معاہدوں اور ذمہ داریوں سے فارغ کرتا ہے، تمام ریاستوں کو مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی اور وہ تکنیکی اور قانونی طور پر خود مختار ہو جائیں گی۔"

(ایضاً صفحہ 61)

دسواں باب

مسلم لیگ اور قائداعظم کا موقف

تقسیم ہند کے فیصلے کے ساتھ ہی انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں دو رائیں پیدا ہو گئیں۔ کانگریس ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کو جائز سمجھتی تھی جبکہ مسلم لیگ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے خلاف تھی۔ اس سلسلے میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خان نے جو ان دنوں ہندوستان کی عبوری حکومت میں وزیر خزانہ تھے۔ 21 اپریل 1947ء کو ایک اخباری بیان میں مسلم لیگ کے موقف کا ان الفاظ میں اعلان کیا:

"ہندوستانی ریاستیں ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ معاہدے کرنے کے لئے آزاد ہیں، یا وہ اپنے لئے مکمل آزادی کا اعلان بھی کر سکتی ہیں۔"

(روزنامہ ڈان 22 اپریل 1947ء)

13 جون 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بلائے ہوئے ایک اجلاس میں جس میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے نمائندے شامل تھے، اس سوال پر پھر اختلاف رائے پیدا ہو گیا کہ ریاستیں آزاد رہ سکیں گی یا نہیں؟ پنڈت نہرو کا خیال تھا کہ ریاستیں آزاد و خود مختار نہیں رہ سکتیں، انہیں لازماً کسی ایک مملکت میں شامل ہو جانا چاہئے۔ جبکہ قائداعظم محمد علی جناح کا موقف یہ تھا کہ اس معاملہ میں ریاستوں پر کوئی جبر نہیں کرنا چاہئے۔ ریاستیں اپنے بارے میں آپ فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔

(چودھری محمد علی، ظہور پاکستان صفحہ 278)

14 جون 1947ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ایک قرارداد کے ذریعہ اپنے نکتہ نظر کا اعادہ کیا:

''اقتدار اعلیٰ کے ختم ہو جانے سے ریاستیں آزاد و خود مختار نہیں ہو جائیں گی، کیونکہ وہ باقی ہند سے الگ نہیں رہ سکتیں۔''

(ایضاً صفحہ 279)

اس کے جواب میں قائداعظم نے 17 جون 1947ء کو ایک بیان میں نہایت وضاحت کے ساتھ اپنا نکتہ نظر بیان کیا۔ انہوں نے کہا:

"Constitutionally and legally, the Indian States will be independent sovereign states on the termination of Paramountcy and they will be free to decide for themselves to adopt any course they like."

"It will be open to them to join the Hindustan Constituent Assembly or the Pakistan Contituent Assembly, or to decide to remain independent. In the last case they will enter into such arrangements or

relationship with Hindustan or Pakistan as they may choose."

''آئینی اور قانونی اعتبار سے برطانوی اقتدار اعلیٰ کے خاتمہ کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستیں آزاد و خود مختار ریاستیں بن جائیں گی اور انہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے لئے اپنی پسند کا کوئی راستہ اختیار کریں۔

انہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی یا پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں سے کسی کے ساتھ شامل ہو جائیں یا آزاد و خود مختار حیثیت برقرار رکھیں۔ موخر الذکر صورت میں وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق باہمی انتظامات یا تعلقات قائم کرنے میں آزاد ہوں گی۔''

بیان کے چوتھے اور پانچویں پیراگراف میں قائداعظم نے ایک بار پھر ریاستوں کے بارے میں مسلم لیگ کی حکمت عملی کی وضاحت کی:

"The policy of the Muslim League has been clear from the very beginning. We do not wish to interfere with the internal affairs of any state, for that is a matter primarily to be resolved between the rulers and the people of the states."

"Such states as wish to enter the Pakistan Constituent Assembly of their free will and desire to negotiate with us, shall find us ready and willing to do so. If they wish to remain independent and wish to negotiate or adjust any political or any other relationship, such as commercial or

economic, with Pakistan, we shall be glad to discuss with them and come to a settlement which will be in the interest of both."

''مسلم لیگ کی پالیسی ابتدا سے ہی رہی ہے ہم کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ بنیادی طور پر ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ریاستوں کے حکمرانوں اور عوام کو خود طے کرنا چاہئے۔''

''جو ریاستیں اپنی مرضی سے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہو کر ہم سے معاملات طے کرنا چاہیں ہمیں ایسا کرنے کے لئے رضا مند اور تیار پائیں گی۔ اگر وہ خود مختار رہ کر پاکستان سے سیاسی، تجارتی اور اقتصادی تعلقات پر تبادلہ خیال کرنا چاہیں ہمیں ان سے باہمی مفادات پر مبنی تعلقات استوار کرنے میں بہت مسرت ہوگی۔''

اس بیان کے آخری دو پیراگراف انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، جن میں انہوں نے کیبنٹ مشن پلان کے 12 مئی 1946ء والے میمورنڈم کے حوالہ سے صورتحال کی نہایت واضح آئینی توضیح پیش کی ہے۔

"I am clearly of the opinion that the Cabinet Mission's memorandum of May 12, defining the policy of His Majesty's Government towards the Indian States does not in any way mean, as it is often wrongly repeated that they have no opinion except to join one or the other constituent Assembly."

"In my opinion, they are free to remain

independent, if they so desire. Neither the British Government nor the British Parliament, not any other Power or body can compel them to do anything contrary to their free will and accord. Nor have they any power or sanction of any kind to do so."

(Pakistan Times 18.6.1947)

''میری واضح رائے ہے کہ کیبنٹ مشن کا **12** مئی والا میمورنڈم جس میں ریاستوں کے بارے میں ہز مجسٹیز گورنمنٹ کی پالیسی کی وضاحت کی گئی ہے کسی طرح بھی ریاستوں کو کسی ایک ملک سے الحاق تک محدود نہیں کرتا۔ میمورنڈم کی یہ توضیح غلط طور پر کی جاتی ہے کہ ریاستوں کے پاس سوائے الحاق کے کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''میری رائے میں ریاستیں اپنی خواہش کے مطابق خود مختار رہ سکتی ہیں۔ حکومت برطانیہ، برطانوی پارلیمنٹ، کوئی اور طاقت یا ادارہ ریاستوں کی خواہشات اور مرضی کے منافی ان پر کوئی فیصلہ عائد نہیں کر سکتا، نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا حق یا اختیار حاصل ہے۔''

(پاکستان ٹائمز 18 جولائی 1947)

11 جولائی 1947ء کو جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے ایک وفد نے جو صدر مسلم کانفرنس چودھری حمید اللہ خان اور پروفیسر محمد اسحٰق قریشی پر مشتمل تھا قائداعظم سے دہلی میں ان کی رہائش گاہ پر ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں خاص طور پر کشمیر کا مستقبل زیر

بحث آیا۔ قائداعظم نے اس بات چیت کے بعد 12 جولائی 1947ء کو اخبارات کے نام ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے فرمایا:

"The second question that is engaging the attention of the Muslims of Kashmir is whether Kashmir is going to join the Constituent Assembly of Hindustan or the Constituent Assembly of Pakistan. I have already made clear more than once that the Indian States are free to join either the Pakistan Constituent Assembly or the Hindustan Constituent Assembly or remain independent."

"We have made it clear that we are not going to coerce, intimidate or put pressure on any state making its choice. But those states who wish to join the Pakistan Constituent Assembly will find us ready and willing to negotiate with them agreement for the mutual advantage of both. Those who wish to declare their complete independence, we shall enter into such agreements with them which may be beneficial for both and secure mutual and reciprocal interest."

(Pakistan Times 13 July 1947.)

''ہم پہلے بھی واشگاف الفاظ میں واضح کر چکے ہیں کہ ہم کسی ریاست کو نہ مجبور کریں گے نہ ڈرائیں دھمکائیں گے نہ کسی اور قسم کا دباؤ ڈالیں گے۔ ہر ریاست کو اپنی مرضی اور خوشی سے فیصلہ کرنا چاہیے جو

ریاستیں اپنی مرضی سے پاکستان میں شامل ہونا چاہیں گی وہ ہمیں خیر مقدم کے لئے مسرور اور مستعد پائیں گی اور باہمی مفاد کے معاہدے طے کرنے کے لئے ہر وقت تیار پائیں گی جو ریاستیں مکمل طور پر آزاد و خود مختار رہنا پسند کریں گی ہم ان کی اس خواہش کا پورا احترام کریں گے اور باہمی دو طرفہ مفادات کی خاطر ان سے مفید اور اچھے اچھے معاہدے کریں گے۔''

(پاکستان ٹائمز 13 جولائی 1947ء قائداعظم کا پیغام از سید قاسم محمود صفحہ 218)

30 جولائی 1947ء کو قائداعظم نے ایک بار پھر ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں اپنے موقف کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

''بعض حلقوں کی طرف سے مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ برطانوی راج ختم ہونے پر ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں نئی حکومت پاکستان کا کیا رویہ ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں میں نے پہلے ہی صورتحال بالکل واضح کر رکھی ہے۔ قانونی صورت یہ ہے کہ برطانوی راج کے ختم ہوتے ہی تمام ہندوستانی ریاستیں خود بخود آزاد و خود مختار ہو جاتی ہیں اس لئے وہ اس بارے میں آزاد و خود مختار ہوں گی کہ پاکستان میں شامل ہو جائیں یا ہندوستان میں۔ یا پھر خود مختار رہیں۔ مسلم لیگ کا یہ موقف ہے کہ ہر ریاست کو اپنی تقدیر بنانے اور اپنے فیصلے خود کرنے کا حق حاصل ہے۔ مسلم لیگ کسی ریاست کو کوئی خاص راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔''

(سید قاسم محمود، قائداعظم کا پیغام صفحہ 220)

قائداعظم محمد علی جناح کے متذکرہ بالا بیانات کی روشنی میں ہر بات روز روشن کی

طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ قائداعظم آئینی اور قانونی طور پر ہندوستانی ریاستوں، علی الخصوص ریاست جموں وکشمیر کی آزادی وخودمختاری کی مکمل تائید وحمایت کرتے تھے۔اس مسئلہ کے آئینی پہلوؤں کا قائداعظم سے بہتر کوئی شارح نہیں ہوسکتا۔لہٰذا آج کل پاکستانی ارباب اقتدار، سیاسی لیڈروں، دانشوروں اور صحافیوں میں سے جو حضرات ریاست جموں کشمیر کی آزادی وخودمختاری کی مخالفت کررہے ہیں وہ بانی پاکستان قائداعظم جناح کے فرمودات کو پس پشت ڈال کر انڈین نیشنل کانگریس اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے پیروکار کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

PAKISTAN TIMES

Founded by Qaid-e-Azam Mohammad Ali Jinnah

Vol. I, No. 94. LAHORE—WEDNESDAY June 18, 1947. 27 RAJAB 1366

States can choose to be independent

Option not limited to Hindustan or Pakistan

Paramountcy will terminate, but cannot be transferred

Jinnah clarifies Muslim League viewpoint

NEW DELHI, June 17: With the termination of Paramountcy, Indian States would be free either to join the Hindustan Constituent Assembly, or the Pakistan Constituent Assembly, or to remain independent, declared Mr M.A. Jinnah, President of the All-India Muslim League, in a statement today.

گیارھواں باب

تقسیم ہند، ریاستوں کی خودمختاری، حکومت پاکستان کا موقف

برطانوی وزیراعظم کلیمنٹ اٹیلی کی حکومت نے 20 فروری 1947ء کو ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں یہ تاریخی اعلان کیا کہ وہ جون 1948ء تک زمام اقتدار ذمہ دار ہندوستانی ہاتھوں کو سپرد کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

(ٹرانسفر آف پاور، جلد 9۔صفحہ 773-774)

ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی تعداد تقریباً 565 تھی وہ پورے ہندوستان کے 40 فیصد رقبہ پر مشتمل تھیں۔20 فروری کے اعلان میں کہا گیا تھا کہ

"برطانیہ کو ہندوستانی ریاستوں پر جو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے وہ ہندوستان کی کسی حکومت کو منتقل نہیں کیا جائے گا۔بلکہ ریاستی حکمران مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔"

ریاستوں کی آزادی کی مخالفت کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے 18 اپریل 1947ء کو ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا:

"جو ریاست دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہوگی اسے ملک دشمن تصور کیا جائے گا اور اسے اس کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔"

(چودھری محمد علی۔ظہور پاکستان صفحہ 227)

23 جون 1947ء کو تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان کر دیا گیا۔ نہرو کی مخالفت کی وجہ سے صوبوں کے لئے خودمختاری کے حق کو ختم کر دیا گیا۔ البتہ ریاستوں کے لئے آزادی و خودمختاری کا حق بدستور موجود رہا۔

ریاستوں کی آزادی کے حق کو سب سے پہلے حیدرآباد دکن کے حکمران عثمان علی خان آصف جاہ نے 11 اپریل 1947ء کو استعمال کرتے ہوئے حیدرآباد کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ حیدرآباد کا رقبہ 86 ہزار مربع میل اور آبادی ایک کروڑ 64 لاکھ تھی۔ حیدرآباد کی اپنی فضائی کمپنی "دکن ایرویز" ڈاک، کرنسی، فوج اور اپنا پرچم تھا۔

(مشتاق احمد خان۔زوال حیدرآباد دکن کی ان کہی داستان، صفحہ 1-8-9-59)

12 جولائی 1947 کو وزیراعظم برطانیہ سر کلیمنٹ ایٹلی نے حتمی طور پر اعلان کیا کہ:

"ریاستوں کے حکمران برطانیہ سے کئے جانے والے معاہدوں کے ختم ہوجانے کے بعد آزادی حاصل کریں گے۔"

16 جولائی کو برطانوی پارلیمنٹ نے آزادی ہند بل (Indian Independence Act) منظور کر لیا اور 18 جولائی کو شاہ برطانیہ نے اس کی منظوری دے دی۔

11 جون کے حیدرآباد کے اعلان آزادی کے بعد 22 جولائی 1947ء کو ریاست حیدرآباد کے ایک وفد نے جس میں وزیراعظم نواب چھتاری ریاست کے آئینی مشیر سر والٹر اور علی یاور جنگ شامل تھے قائداعظم سے ملاقات کی۔ قائداعظم نے حیدرآباد کی آزادی کی مکمل حمایت اور تعاون کا یقین دلایا۔

(نواب چھتاری، خودنوشت سوانح۔جلد سوئم صفحہ 247-251)

30 جولائی 1947ء کو قائداعظم نے ایک بیان میں پھر اس بات کا اعادہ کیا کہ:

"برطانیہ کا اقتدار اعلیٰ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی ساری ریاستیں خود بخود مکمل طور پر آزاد و خودمختار ہو جائیں گی۔ لہٰذا انہیں پوری آزادی ہے کہ وہ دونوں ڈومینیوں میں سے کسی ایک میں شامل ہوں یا آزاد رہیں"

(زاہد چودھری۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد 3 صفحہ 365)

نظام حیدرآباد نے بعد میں میر لائق علی کو وزیراعظم اور معین نواز جنگ کو وزیر خارجہ مقرر کیا۔ جون 1947ء میں میر نواز جنگ کو لندن میں، زین یار جنگ کو دہلی میں اور مشتاق احمد خان کو کراچی میں ایجنٹ جنرل (سفیر) تعینات کیا گیا۔ پاکستان میں حیدرآباد کا سفارتخانہ 9 کلفٹن کراچی میں قائم ہوا۔ سفیر مشتاق احمد خان نے 10 اپریل 1948ء کو قائداعظم کو اپنی سفارتی اسناد پیش کیں۔

(مشتاق احمد خان، زوال حیدرآباد کی ان کہی داستان صفحہ 110)

یکم جون 1948ء کو قائداعظم نے نہرو کی دھمکیوں کے جواب میں ایک بار پھر حیدرآباد کی خودمختاری کی حمایت کی۔ حیدرآباد نے مصر، سعودی عرب، آسٹریلیا، امریکہ اور کینیڈا میں بھی سفارتی نمائندے مقرر کرنے کی کوشش کی۔

21 اگست 1948ء کو بھارتی جارحیت کے خطرے کے پیش نظر حیدرآباد نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اپنا مقدمہ پیش کر دیا

(میر لائق علی، ٹریجڈی آف حیدرآباد صفحہ 197)

17 ستمبر 1948ء کو بھارت نے حیدرآباد پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا۔

19 فروری 1949ء کو پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان، وزیر خزانہ غلام محمد حیدرآباد کے وزیر خارجہ معین نواز جنگ اور سفیر مشتاق احمد خان کے مابین اجلاس کے بعد

حکومت پاکستان نے حیدر آباد کے ایجنٹ جنرل کو حیدر آباد کا نمائندہ قرار دیتے ہوئے اپنے فرائض جاری رکھنے کو کہا اور حیدر آباد پر بھارتی قبضہ کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ مشتاق احمد خان نومبر 1953ء تک پاکستان میں حیدر آباد کے ایجنٹ جنرل کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 12 دسمبر 1958ء کو وزیر خارجہ پاکستان منظور قادر نے ایک خط میں حیدر آباد کو ایک خود مختار ریاست تسلیم کیا۔ پاکستان کی وزارت خارجہ نے اپنے نوٹیفیکشن نمبر (66)-GPPK-1741-25-201 کے تحت 19/01/1967 کو حیدر آباد کے ایجنٹ جنرل کی کراچی میں تعیناتی اور اس کی سفارتی حیثیت کو تسلیم کیا۔

(ڈاکٹر عارف چودھری، سویڈن۔ جنگ 11 جون 1996)

ریاستوں کے الحاق کا دو قومی نظریہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یعنی یہ ضروری نہیں تھا کہ مسلم اکثریت والی ریاست صرف پاکستان سے اور ہندو اکثریت والی ریاست ہند سے الحاق کر سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کپورتھلہ کے سکھ حکمران نے اسی مسلم اکثریتی ریاست کا الحاق بھارت سے کر دیا۔ اسی طرح 3377 مربع میل رقبہ پر پھیلی ہوئی ہندو اکثریت والی ریاست جوناگڑھ کے دیوان سر شاہنواز بھٹو نے ریاست کا الحاق پاکستان سے کر دیا اور پاکستان نے یہ الحاق منظور کر لیا۔

(زاہد چودھری پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد 3 صفحہ 364-65)

دوسری مسلم ریاستوں میں سے صوبہ سرحد کی ریاستوں سوات، دیر، چترال اور امب، بلوچستان میں واقع ریاست قلات، لسبیلہ، خاران، مکران اور پنجاب میں واقع ریاست بہاولپور نے الحاق پاکستان کی بجائے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔

قیام پاکستان کے وقت والئی سوات میاں گل شہزادہ عبدالودود تھے۔ 14 دسمبر 1949ء کو ان کے بیٹے میاں گل عبدالخالق کی تاج پوشی لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے سرانجام دی۔ یحیٰ خان کی حکومت نے 28 جولائی 1969ء کو ریاستوں کے خاتمے کا

اعلان کر دیا اور سوات کو بھی ضلع بنا دیا گیا۔

(دی لاسٹ والی آف سوات، فریڈرک بارتھ صفحہ 106-11)

ریاست بہاولپور کے حکمران نواب محمد صادق تھے اور کرنل اے جے ڈانگ وزیر اعظم تھے۔ بہاولپور 1955ء تک یعنی ون یونٹ کے قیام تک آزاد رہا۔ جبکہ اس کا دفاع، امور خارجہ اور کرنسی حکومت پاکستان کی ذمہ داری تھی۔

(بریگیڈیئر نذیر علی شاہ، دی ہسٹری آف بہاولپور سٹیٹ، صفحہ 139)

یحیٰ خان کے دور میں جب ون یونٹ کو توڑ کر دوبارہ صوبے بنائے گئے تو ریاست بہاولپور کی بحالی کی تحریک شروع ہوگئی۔

(وکیل انجم، سیاست کے فرعون صفحہ 148-49)

قلات کی ریاست ہندوستان کی چوتھی بڑی ریاست تھی جس کا رقبہ 37278 مربع میل تھا اور آبادی ساڑھے تین لاکھ تھی۔ قلات کے حکمران نواب میر احمد یار خان نے کیبنٹ مشن (Cabinet Mission) کے دورہ کے موقعہ پر قائداعظم محمد علی جناح کو ریاست کا آئینی مشیر مقرر کیا تا کہ وہ ریاست کی خود مختاری کے معاملہ میں ان کی معاونت کر سکیں۔ نواب میر احمد یار خان نے ریاست کی آزادی و خود مختاری کا اعلان کر کے اور ڈوگلس نیل وزیر خارجہ مقرر کر کے مغربی ممالک سے تیل کی تلاش میں تعاون کے لئے کوششیں شروع کیں۔ قائداعظم خود قلات کے آئینی مشیر رہ چکے تھے اور انہوں نے یہ تسلیم کیا تھا کہ برطانوی اقتدار اعلیٰ کے ختم ہوتے ہی قلات کی حیثیت آزاد ریاست کی ہوگی۔

(عقیل عباس جعفری۔ پاکستان کے سیاسی وڈیرے، صفحہ 680-681)

قلات کے حکمران پر الحاق کے لئے دباؤ بڑھا دیا گیا۔ حالانکہ قلات کی اسمبلی نے خود مختاری کے حق میں قرارداد پاس کی تھی۔ قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کو غیر قانونی قرار دے کر غوث بخش بزنجو، گل نصیر خان اور دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بالآخر 27

مارچ 1948ء کو قلات نے پاکستان کے ساتھ الحاق کرلیا۔

(احمد سلیم، سیاستدانوں کی جبری نااہلیاں صفحہ 191-190)

قلات کے الحاق سے قبل لسبیلہ کے حکمران جام میر غلام قادر خان، خاران کے حکمران اور مکران کے نواب جنھوں نے پہلے آزادی کا اعلان کیا تھا پاکستان سے الحاق پر تیار ہو گئے اور 21 مارچ 1948ء کو ان کا پاکستان سے الحاق ہو گیا۔

(ڈاکٹر انعام الحق کوثر، جدوجہد آزادی میں بلوچستان کا کردار صفحہ 357-58)

1955ء میں ون یونٹ (One Unit) کے قیام تک ان ریاستوں کا تشخص برقرار رہا۔ یحییٰ خان کے دور میں ون یونٹ توڑ گیا، تو پھر ان ریاستوں کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اس غیر جمہوری حکومت نے 28 جولائی 1969ء کو ریاستوں کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

بارھواں باب

اقوام متحدہ کی قراردیں

ادارہ اقوام متحدہ کے قیام کا پس منظر

دوسری عالم گیر جنگ کے دوران (45-1939) کچھ اذہان میں عالم انسانیت کو جنگ کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک عالمی تنظیم قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ 14 اگست 1941ء کو برطانیہ اور امریکہ نے قیام امن کے بنیادی اصولوں پر اتفاق کیا اور منشور اوقیانوس (Atlantic Charter) جاری کیا۔

یکم جنوری 1942ء کو 20 اقوام نے ہٹلر اور اس کے اتحادیوں کی ''محوری طاقتوں'' (Axis Powers) کے خلاف اٹلانٹک چارٹر کی توثیق کی۔ اس موقعہ پر پہلی بار ''اقوام متحدہ'' (United Nations) کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

30 اکتوبر 1943ء کو چار بڑی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، روس اور چین نے اعلان ماسکو کے ذریعہ ایک بین الاقوامی تنظیم قائم کرنے پر اتفاق کیا۔

25 اپریل سے 26 جون 1945ء کے دوران سان فرانسسکو کے مقام پر اقوام

متحدہ کی بین الاقوامی تنظیم کے قیام کے لئے ایک کانفرنس جاری رہی جس میں اقوام متحدہ کا منشور ترتیب دیا گیا۔اس دستاویز پر 26 جون 1945 کو 50 اقوام کے نمائندوں نے دستخط کئے جبکہ پولینڈ نے 15 اکتوبر 1945ء کو دستخط کئے۔اس طرح یہ 51 اقوام ادارۂ اقوام متحدہ(UNO) کی بانی رکن کہلائیں۔24 اکتوبر کو چارٹر کو نافذ العمل بنایا گیا۔یہی تاریخ **UNO** کی تاریخ استقلال قرار پائی۔24 اکتوبر کو ہر سال یوم اقوام متحدہ کے طور پر منایا جاتا ہے۔

(اتفاق سے دو سال بعد ریاست جموں وکشمیر کی آزاد حکومت کی تشکیل نو اسی تاریخ کو عمل میں آئی۔)

مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں

اگست 1947ء میں تقسیم ہند کے نتیجہ میں بھارت اور پاکستان دو نئی مملکتیں وجود میں آئیں۔قانون آزادیٔ ہند(**Indian Independece Act**) کے مطابق انگریزوں کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی ریاستوں کی خودمختاری بحال ہوگئی تھی اور انہیں یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اگر چاہیں تو بھارت یا پاکستان دونوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق کر سکتی ہیں اور اگر چاہیں تو اپنی حاصل شدہ خودمختاری کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح ریاستوں کا یہ حق پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے۔جس کی تصیل الگ دی جا رہی ہے۔جموں کشمیر کے والی مہاراجہ ہری سنگھ بھی ریاست کی خودمختاری کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔آخری فیصلے تک پہنچنے کے لئے انہوں نے دونوں نوزائیدہ مملکتوں کے سامنے معاہدہ جاریہ(**Stand Still Agreement**) کی تجویز رکھی تھی۔بھارت نے اس تجویز کا کوئی مثبت جواب نہ دیا جبکہ پاکستان نے تجویز منظور کر لی اور 15 اگست کو پاکستان اور کشمیر کی حکومتوں کے درمیان معاہدے پر دستخط ہوگئے اور پاکستان نے کشمیر میں ڈاک تار کے

محکمے کا چارج سنبھال لیا۔

اسی دوران اکتوبر کے چوتھے ہفتے میں قائداعظم جناح کے علم میں لائے اور ان سے اجازت لئے بغیر حکومت پاکستان کے ایک طالع آزما گروپ نے مہاراجہ ہری سنگھ سے طے پانے والے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر قبائلی لشکر کشمیر میں داخل کر دیئے جنہوں نے کشمیر میں داخل ہوتے ہی لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔مورخ زاہد چودھری لکھتے ہیں:

"قبائلی لشکر نے 22 اکتوبر کو مظفرآباد پر قبضہ کر لیا تو اس شہر میں تین دن تک ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام ہوتا رہا۔قبائلیوں نے بلاامتیاز غیر مسلموں کو قتل کرنے کے علاوہ ان کی بہت سی عورتوں کو اغواء کر لیا اور ان کے گھروں کو لوٹا۔"

(زاہد چودھری۔پاکستان کی سیاسی تاریخ،جلد 3 صفحہ 168)

مورخ محمد یوسف حراف نے بھی قبائلیوں کے ہاتھوں بارہ مولہ کی تباہی کا تفصیلی حال اپنی تصنیف "کشمیریز فائٹ فار فریڈم" کے صفحہ 906-907 پر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"قبائلیوں کی ایک بڑی تعداد کوئی وقت ضائع کئے بغیر بارہ مولاہ کے عوام کے خلاف ہوگئی اور چند گھنٹوں کے اندر کئی ایک عمارات نذر آتش ہوگئیں۔پختہ اینٹوں کے مکانات میں زبردستی داخل ہو کر مکینوں کو موت کا خوف دلا کر لوٹ لیا گیا۔دریائے جہلم کے بائیں کنارے بیسیوں مکانات جلا کر خاک کر دیئے گئے۔"

"سینٹ جوزف ہسپتال کی مدر سپیریئر (**Mother Superier**) تین راہباؤں (**Nuns**) اور ایک برطانوی جوڑے کو جو وہاں ٹھہرا ہوا تھا قتل کر دیا گیا۔میرے پڑوس میں رہنے والے

تین ہندو، شمبھو ناتھ، ویدلال اور ارجن ناتھ جو تینوں سکول ماسٹر تھے قتل کر دیئے گئے۔ جہاں تک لوٹ مار اور آتش زنی کا تعلق ہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں برتی گئی۔"

"مثال کے طور پر چار بیٹیوں کے باپ غنی نامی ایک غریب جولاہے کی لوئی (کمبل) ایک قبائلی بالجبر چھیننے لگا تو غنی نے پوچھا: کیا تم لوگ اسی مقصد کے لئے کشمیر آئے ہو؟ یہ سنتے ہی غنی کو موقع پر ہی گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ مقامی سینما ہال کو عملاً ایک قحبہ خانے میں تبدیل کر دیا گیا۔ ایک آسودہ حال مسلمان گھرانے کی تمام خواتین حفظ ماتقدم کے طور پر شہر سے باہر چلی گئی تھیں بدقسمتی سے ان کی ایک بہو کسی وجہ سے گھر میں ہی رہ گئی تھی کسی قبائلی کی اس پر نظر پڑی اور اسے کیمپ میں ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ لڑکی نے حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے اندر جا کر نئے کپڑے پہننے اور زیورات وغیرہ ساتھ لانے کی اجازت چاہی جو اسے دے دی گئی۔ لڑکی ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئی جس میں گھوڑوں کے لئے چارہ رکھا ہوا تھا۔ لڑکی نے چارہ کو آگ لگا دی اور خود بھی اس میں کود گئی۔ نہ صرف وہ لڑکی اور اس کا گھر بلکہ محلے کے دو سو مکانات جل کر خاکستر ہو گئے۔"

"کشمیری پنڈت خواتین ایک خاص قسم کا سونے کا زیور کانوں میں پہنتی ہیں جسے وہ اپنے شوہروں کی زندگی میں کبھی نہیں اتارتیں۔ قبائلیوں نے انہیں یہ زیور اتارنے کا موقع دیئے بغیر نہایت بے رحمانہ انداز میں کانوں سے نوچ ڈالے کہ ان کے کان لہولہان ہو گئے۔"

"گھروں کو لوٹتے وقت صرف نقدی اور زیورات پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ سماوار اور پیتل کے برتن بھی اس خیال سے لوٹتے رہے کہ ان کا خیال تھا سونے کے بنے ہوئے ہیں۔ بعض قبائلیوں کو ایسے فرن **Feran** پہنتے ہوئے دیکھا گیا جو خواتین کا مخصوص لباس تھا۔"

(محمد یوسف صراف کشمیریز فائٹ فار فریڈم صفحہ **906-907**)

مسلم لیگ کے سابق صدر سردار شوکت حیات خان نے **The Nation that lost its soul** کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا ترجمہ "گم گشتہ قوم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے قبائلی یلغار کی خاصی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ان کی کتاب کا ایک اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

"بارہ مولا میں قبائلیوں نے خورشید انور کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ خزانے سے برآمد شدہ تین لاکھ روپے کی رقم کو قبائلی مجاہدین اپنی ملکیت سمجھنے لگے۔ اسی دوران انہوں نے مقامیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ بارہ مولا کانونٹ کی راہباؤں کے لاکٹ اور بندے اتار لئے گئے۔ ان قبائلیوں نے بازار میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اس طرح قیمتی وقت ضائع ہو گیا...... ہم نے کشمیر اپنی حماقتوں اور اناڑی پن سے کھویا۔"

(سردار شوکت حیات۔ گم گشتہ قوم صفحہ **280**)

قبائلیوں کی اس یلغار کا یہ نتیجہ نکلا کہ مہاراجہ ہری سنگھ جو چند روز پہلے تک بھارتی حکمرانوں اور کانگریسی لیڈروں سے سخت نفرت کرتا تھا، ان ہی سے مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا۔ اس صورتحال کا بھارت کی کانگریسی سرکار نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور کوئی مدد بہم پہنچانے سے قبل ہری سنگھ سے الحاق کی درخواست حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

27 اکتوبر کو بھارتی افواج کے دستے سری نگر میں داخل ہو گئے اور اس طرح ریاست اس خودمختاری سے محروم ہوگئی جو 15 اگست 1947ء کو اسے حاصل ہوگئی تھی۔ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس وقت تک کشمیر کے بھارت سے الحاق کی کسی دستاویز پر دستخط نہیں ہوئے تھے اور اس طرح کئی نامور سیاسی مبصرین نے 27 اکتوبر کو کشمیر میں بھارتی افواج کے داخلہ کو ایک خودمختار ملک پر جارحیت قرار دیا ہے۔

19 نومبر 1947ء کو وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے وزیراعظم بھارت جواہر لعل نہرو کے نام ایک ٹیلیگرام میں یہ تجویز پیش کی کہ مسئلہ کشمیر کو پرامن طریقہ سے حل کرنے کی غرض سے اسے اقوام متحدہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیاقت علی خان نے یہی تجویز برطانوی وزیراعظم کے نام ایک ٹیلیگرام میں دہرائی۔ ایک ماہ بعد جواہر لعل نہرو نے وزیراعظم پاکستان کے نام ایک خط میں یہ خیال ظاہر کیا کہ اقوام متحدہ اس معاملہ میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔

(سٹوری آف کشمیر شائع کردہ حکومت پاکستان، صفحہ نمبر 16)

ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ صرف 15 دن بعد بھارتی حکومت خود یہ مسئلہ لے کر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پہنچ گئی۔ بھارت کے دعوے کی بنیاد یہ تھی کہ

"کشمیر نے جائز طور پر بھارت سے الحاق کر لیا ہے۔ پاکستان اس خطہ میں گڑبڑ کا ذمہ دار ہے۔ سلامتی کونسل پاکستان سے کہے کہ وہ اپنے شہریوں اور قبائلیوں کو ریاست میں داخل ہونے سے روکے اور انہیں کوئی امداد دینے سے احتراز کرے۔"

پاکستان نے اپنے جواب میں بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو چیلنج کیا اور واضح کیا کہ وہ قبائلیوں کی کوئی مدد نہیں کر رہا ہے۔ ساتھ ہی قبائلیوں کے داخلے کو روکنے سے معذوری ظاہر کر دی۔

17 جنوری 1948ء کو سلامتی کونسل کے 229 ویں اجلاس میں قرارداد نمبر S/651 منظور ہوئی، جس میں کہا گیا:

"حکومت بھارت اور حکومت پاکستان کے نمائندوں کے بیانات سنے گئے۔ صورتحال کی سنگینی کا احساس کیا گیا۔ سلامتی کونسل کے صدر کے فریقین کے نام تار اور ان کے جوابات پر غور کیا گیا۔ فریقین سے یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی پابندی کریں گے۔"

بہرحال اس طرح مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پہنچ گیا اور بھارت پاکستان اس کے دو فریق قرار پائے۔ کشمیری عوام یعنی کشمیر کے اصل مالک اس تنازعہ میں کہیں نظر نہیں آتے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ 20 جنوری 1948ء کو سلامتی کونسل نے رسمی طور پر مسئلہ کشمیر کو ہند پاک مسئلہ قرار دیا۔ جس میں روسی نمائندہ نے کونسل کے صدر کے اس اختیار کو چیلنج کیا کہ کونسل کے ایجنڈا پر موجود ایک مسئلہ میں کونسل میں بحث کیے بغیر ہی تبدیلی کی گئی ہے۔

(Hemen Ray-How Moscow sees Kashmir, Page 10)

سوویت روس اس زمانے میں کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی کی بھرپور حمایت کر رہا تھا۔ روسی تبصرہ نگاروں نے بھارتی افواج کو جارح قرار دے کر مذمت کی تھی کہ اس سے کشمیر کی اقتصادی صورتحال بگڑ گئی ہے۔ ایک اور تبصرہ نگار نے لکھا:

"کشمیری عوام کو اب دو دشمنوں کا مقابلہ ہے ایک وہ مداخلت کار جنہوں نے ریاست کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا ہے اور دوسری بھارتی رجعت پسند۔"

(ایضاً صفحہ 12)

20 جنوری 1948ء کو سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر S/654 میں اس مسئلہ کو حل کرنے میں مدد دینے کے لئے ایک سہ رکنی کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا نام اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندو پاکستان (UNCIP) رکھا گیا۔ کمیشن کے ممبران میں سے ایک کو بھارت نے اور دوسرے کو پاکستان نے نامزد کیا۔ کشمیری عوام کی نمائندگی کرنے کے لئے کسی ممبر کی نامزدگی ضروری نہیں سمجھی گئی۔

21 اپریل 1948ء کو سلامتی کونسل کے 286ویں اجلاس میں قرارداد نمبر S/726 چھ ممالک بلجیم، ہالینڈ، چین، کمبوڈیا، برطانیہ اور امریکہ نے پیش کی جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔ قرارداد میں ریاست سے قبائلیوں اور پاکستانی شہریوں کی واپسی ۔ ریاست میں بھارتی افواج کی تعداد میں کمی ۔ 15 اگست 1947ء کے بعد ریاست میں داخل ہونے والے بھارتی شہریوں کی واپسی ۔ ریاست کے ان تمام شہریوں کی وطن واپسی جو فسادات کی وجہ سے گھر بار چھوڑ کر جا چکے تھے کے فیصلے کئے گئے۔ نیز UNCIP کے اراکین کی تعداد تین سے بڑھا کر پانچ کر دی گئی جن میں دو اراکین بھارت اور پاکستان سے نامزد کئے اور بقیہ تین اراکین کو سلامتی کونسل نے منتخب کیا۔ بھارت نے چیکوسلواکیہ اور پاکستان نے ارجنٹائن کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ مسئلہ کے اصل اور بنیادی فریق یعنی کشمیری عوام کی نمائندگی کے لئے اب بھی کسی رکن کی نامزدگی کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اسی دوران پاکستان نے بھی اپنی مسلح افواج ریاست میں داخل کر دیں جواز یہ پیش کیا گیا:

1- پاکستان کی علاقائی سالمیت کو بھارتی جارحیت سے محفوظ رکھنا۔

2- بھارت کو فوجی طاقت کے ذریعہ کشمیر کی تقدیر کا فیصلہ کرنے سے روکنا۔

3- پاکستان کے اندر مہاجرین کی آمد کو روکنا۔

(ABC of Kashmir's bid for freedom P-22)

بھارت نے فوراً اس نئی صورتحال کے بارے میں سلامتی کونسل سے شکایت کی۔

چنانچہ 13 اگست 1948ء کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاک UNCIP کی پہلی قرارداد نمبر (UNCIP-S/1100) منظور ہوئی۔ اس قرارداد کو کشمیر کے متعلق اقوام متحدہ کے فیصلوں میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

یہ قرارداد تین حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں ریاست جموں و کشمیر میں دونوں مملکتوں کی افواج میں جنگ بندی (Cease Fire) کے متعلق تفصیلات پر اتفاق رائے درج ہے۔ حصہ دوم جنگ بندی کے بعد معاہدہ التوائے جنگ (Truce Agreement) کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ اس کے تین جز ہیں۔ جز ''الف'' میں پاکستان نے تسلیم کیا ہے کہ

> ''چونکہ پاکستان کی افواج کی ریاست جموں و کشمیر میں موجودگی سے اس صورتحال میں تبدیلی رونما ہو گئی ہے جو سلامتی کونسل میں حکومت ہند کی طرف سے دائر کی جانے والی شکایات کے وقت موجود تھی۔ اس لئے حکومت پاکستان ریاست سے اپنی تمام افواج کو واپس بلانے کا اقرار کرتی ہے۔ نیز حکومت پاکستان نے ریاست سے تمام قبائلیوں اور ان تمام پاکستانی شہریوں کو نکالنے کے لئے اپنی تمام کوششیں عمل میں لائے گی جو ریاست میں جنگ کے لئے داخل ہو گئے ہیں۔''

جز ''ب'' میں اظہار کیا گیا کہ

> ''جب کمیشن بھارت کو یہ اطلاع دے گا کہ وہ تمام قبائلی اور پاکستانی شہری، جن کا ذکر حصہ دوم (الف) میں کیا گیا ریاست سے چلے گئے ہیں اور اس طرح وہ صورتحال ختم ہو گئی ہے جس کی بناء پر حکومت ہند نے سلامتی کونسل سے رجوع کیا تھا اور جو بھارتی فوجوں کی ریاست

میں آمد کا سبب بنی تھی، نیز یہ کہ ریاست سے پاکستانی افواج کا انخلاء
عمل میں لایا جارہا ہے تو حکومت ہند ریاست سے اپنی مسلح افواج
کے بڑھے حصے (Bulk) کے مرحلہ وار انخلاء کا آغاز کرنے پر آمادگی
ظاہر کرتی ہے۔"

قرارداد کا حصہ سوئم انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس کا متن حسب ذیل ہے:

"The Goernment of India and the Government of Pakistan reaffirm their wish that the future status of the state of Jammu and Kashmir shall be determined in accordance with the will of the people and to that end, upon acceptance of the truce agreement, both Governments agree to enter into consultations with the commission to determine fair and equitable conditions where by such free expression will be assured."

"حکومت ہند اور حکومت پاکستان اپنی اس خواہش کا اظہار کرتی ہیں
کہ ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کی حیثیت کا تعین عوام کی رائے
کے مطابق کیا جائے گا اور اس مقصد کے لئے التوائے جنگ کے
معاہدے پر دستخط ہو جانے کے بعد دونوں حکومتیں کمیشن کے ساتھ
مذاکرات کا آغاز کرنے کا اقرار کرتی ہیں تا کہ اس قسم کے سازگار
حالات پیدا کئے جا سکیں جن میں عوام کی آزادانہ رائے کے
استصواب کو یقینی بنایا جا سکے۔"

(اے بی سی آف کشمیریز بڈ فار فریڈم صفحہ 47 تا 49)

UNCIP کی دوسری قرارداد 5 جنوری 1949ء کو منظور ہوئی۔ اس قرارداد پر
ہم ذرا آگے چل کر بات کریں گے۔ فی الحال ہم اس کے بعد وقتاً فوقتاً منظور ہونے والی چند
قراردادوں کا ذکر کریں گے۔

13 اگست 1948ء والی قرارداد نمبر **5/1100** میں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے یہ
قرار دیا گیا تھا کہ

"ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کی حیثیت کا تعین کشمیری عوام کی
رائے کے مطابق کیا جائے گا۔"

یہ موقف اب بھی قائم ہے اس کی عکاسی سلامتی کونسل کی منظور کردہ ایک درجن
واضح اور جاندار قراردادوں میں کی جا چکی ہے۔

(یوسف بچھ۔ کشمیر ڈائری 95-1995 صفحہ 60)

ان میں سے چند قراردادوں کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

14 مارچ 1950ء کو منظور ہونے والی قرارداد نمبر **S/1469** میں سلامتی کونسل کی
کوششوں کے مقاصد اور اصولوں کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی:

"Determination of its final disposition in accordance with the will of the people through the democratic method of a free and impartial plebiscite."

(G. N. Lone - Voice of Khashmir page 18)

ترجمہ "کشمیر کے مستقبل کے بارے میں عوامی خواہشات کے مطابق
آخری فیصلے کا تعین جو کہ عوام کی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب
رائے کے ذریعہ کیا گیا ہو۔"

30 مارچ 1951ء کو سلامتی کونسل نے اپنی قرارداد نمبر **S/2017** میں اس اصول

کو پھر دہرایا:

"The final dispostion of the state of Jammu & Kashmir will be made in accordance with the will of the people, expressed through the democratic method of a free and imparial plebiscite, conducted under the auspices of the United Nations."

(G. N. Lone, voice of Kashmir page 22)

''ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کا حتمی فیصلہ، عوامی رائے اور خواہش کے مطابق اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری طریقہ سے کرائے گئے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے سے کیا جائے گا۔''

اس سے قبل 27 اکتوبر 1950ء کو آل جموں کشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل نے ایک قرارداد میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلا کر ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی سفارش کی تھی۔ سلامتی کونسل نے اس اقدام کا سختی سے نوٹس لیا اور 30 مارچ 1951ء والی محولہ بالا قرارداد میں واضح کیا کہ:

''مذکورہ آئین ساز اسمبلی ریاست جموں وکشمیر یا اس کے کسی حصے کے مستقبل کے بارے میں کوئی بھی قدم اٹھائے، اس کا سلامتی کونسل میں طے شدہ فیصلوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ طے شدہ اصولوں کے مطابق ہی ہو سکے گا۔''

گویا اس طرح یہ اصول ایک بار پھر دہرایا گیا کہ ریاست جموں کشمیر کے عوام کسی رنگ نسل، علاقہ یا مذہب کی تفریق کے بغیر ایک ہی وقت میں اپنی آزادانہ رائے سے اپنے پورے ملک کے مستقبل کا تعین کر سکیں گے۔ اس اصول کو بھارت اور پاکستان دونوں نے تسلیم کر رکھا ہے۔

24 جنوری 1957ء کو سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر S/3779 کے تحت بھارت اور پاکستان کی حکومت کو یاد دلایا گیا کہ جن اصولوں کو سلامتی کونسل کی 21 اپریل 1948ء، 3 جون 1948ء، 14 مارچ 1950ء، 30 مارچ 1951ء نیز UNCIP کی 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادوں میں سمویا گیا ہے ان کے مطابق:

"The final disposition of the state of Jammu and Kashmir will be made in accordance with the will of the people expressed through the democratic method of a free and impartial plebiscite conducted under the auspices of the united nations."

یعنی ''ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کا حتمی فیصلہ عوام کی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے کے مطابق اقوام متحدہ کی نگرانی میں کرائی گئی رائے شماری کے ذریعہ کیا جائے گا۔''

2 دسمبر 1957ء کو سلامتی کونسل نے اپنی قرارداد نمبر S/3922 میں گنر یارنگ (Gunner Jarring) کی رپورٹ نمبر S/3821 موصول ہونے کے بعد ایک بار پھر اسی بات کا اظہار کیا کہ:

"The Government of India and Pakistan recognize and accept the provisions of the resolution dated 17 January 1948 and the resolutions of the UNCIP dated 13 August 1948 (S/1100) and 5 Januray 1949 (S/1196), which envisage in accordance with their terms, the determination of the future status of the state of Jammu and Kashmir in accordance with the will of the people through the democratic method of a

free and impartial plebiscite............

ترجمہ ''حکومت ہند اور حکومت پاکستان 17 جنوری 1948ء کی قرارداد نمبر S/651۔ نیز UNCIP کی 13 اگست 1948ء کی قرارداد نمبر S/1100 اور 5 جنوری 1949ء کی قرارداد نمبر S/1100 کے مندرجات کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی منظوری دے چکی ہیں جن میں ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کے تعین کے لئے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی کرائے گئے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب کے ذریعہ عوام کی خواہشات کے مطابق فیصلہ کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔''

اب ہم **UNCIP** کی قرارداد نمبر **S/1196** پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے جو 5 جنوری 1949ء کو منظور ہوئی۔ یہ قرارداد پاکستان کے بعض ارباب اقتدار سیاسی رہنماؤں اور صحافی حضرات کو بہت مرغوب ہے۔ شب و روز اسی قرارداد کا چرچا کیا جاتا ہے۔ 5 جنوری کو یوم خودارادیت کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس روز ریلیاں اور سیمینار منعقد کئے جاتے ہیں۔ اس پسندیدگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس قرارداد میں عوام کی رائے کو صرف ''الحاق'' تک محدود کیا گیا ہے یا دوسرے الفاظ میں اس میں الحاق پاکستان کا ذکر کیا گیا ہے۔

قراردادوں کے افتتاحی پیراگراف میں اس قرارداد کے پس منظر کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"Having received from the Governments of India and Pakistan, in communications, dated 23 and 25 December 1948, respectively, their acceptance of the following principles which are supplementary to the commissions resolution of 13 August 1948."

ترجمہ ''اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاکستان **UNCIP** کو حکومت ہندوستان اور حکومت پاکستان کی طرف سے بالترتیب 23 دسمبر اور 25 دسمبر 1948ء کے مراسلات موصول ہوئے ہیں جن میں انہوں نے حسب ذیل اصولوں کی منظوری کی اطلاع دی ہے جو کہ 13 اگست 1948ء والی قرارداد کا ضمیمہ **(Supplementary)** کہلائیں گے۔''

"The question of the accession of the state of Jammu and Kashmir to India or Pakistan will be decided through the democratic method of a free and impatial plebiscite."

یعنی ''ہندوستان یا پاکستان سے ریاست جموں و کشمیر کے الحاق کا فیصلہ جمہوری طریقہ پر منعقدہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری سے ہوگا۔''

قرارداد 10 دفعات پر مشتمل ہے اس سے اگلی دفعہ میں واضح کیا گیا ہے کہ رائے شماری تب ہوگی جب کمیشن اس بات کی تصدیق کرے گا کہ 13 اگست 1948ء والی قرارداد کے حصہ اول اور حصہ دوم پر عملدرآمد ہو چکا ہے۔

واضح رہے کہ متذکرہ قرارداد کے حصہ اول و دوم میں ریاست سے پاکستانی افواج کے مکمل انخلاء، قبائلیوں اور پاکستانی شہریوں کی مکمل واپسی اور اس کے بعد بھارتی افواج کے ایک حصہ کی ریاست سے واپسی کے آغاز کے معاملات شامل ہیں۔

ہمارے بعض کرم فرماؤں کو یہ قرارداد محض اس لئے پسند ہے کہ اس میں مستقبل کی حیثیت کے تعین **(Determination of future status)** کی بجائے پاکستان یا بھارت سے الحاق کی بات کی گئی ہے یہ حضرات سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس طرح کشمیر کی آزادی و

خودمختاری خارج از امکان ہوگئی ہے۔اس ضمن میں چند حقائق کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اول یہ کہ 5 جنوری 1949ء کی قرارداد بھارت اور پاکستان کے نمائندوں کی مشترکہ تجویز کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں کشمیری عوام کا کوئی نمائندہ شامل نہیں تھا اور یہ محض دو دعویداروں کا آپس میں فیصلہ ہے۔دو دعویدار فریقین کا اپنے مفادات میں کیا ہوا فیصلہ تیسرے اور بنیادی فریق یعنی کشمیری عوام پر کیسے ٹھونسا جا سکتا ہے؟ اس ضمن میں کشمیری دانشور یوسف بچھ کا یہ استدلال دہرانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

"Nothing in Internation law confers on two parties the authority to make decision or conclude agreements which adversely affects the rights of the third party. the third party here is the people of Kashmir."

(Yosuf Buch - Kashmir Dairy 1995-96, P-61)

''بین الاقوامی قوانین کے تحت کوئی امر دو فریقین کو ایسا فیصلہ کرنے یا ایسے کسی سمجھوتے پر پہنچنے کا اختیار نہیں دیتا جس سے کسی تیسرے فریق کے حقوق پر زد پڑتی ہو۔یہاں تیسرا فریق کشمیری عوام ہیں۔''

دوئم یہ کہ 5 جنوری 1949ء کے بعد جتنی بھی قراردادیں منظور ہوئی ہیں ان کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے ان میں ''ریاست کے مستقبل کا تعین'' کے اصول کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے۔''الحاق'' کا کہیں ذکر نہیں آیا۔

سوئم یہ کہ اس قرارداد کا متن عوام کے خودارادیت کو محدود کر دینے کے مترادف ہے۔دنیا بھر کی معروف لغات (Dictionaries) میں خودارادیت (Self Determination) کی تشریح یوں کی گئی ہے:

"Right of à people to decide whether they

shall be independent or be part of another state."

''یعنی کسی قوم کا یہ فیصلہ کرنے کا حق کہ وہ خودمختار رہنا چاہتے ہیں یا کسی اور مملکت کا حصہ بنا چاہتے ہیں۔''

کشمیری عوام کے مطالبہ آزادی کی پشت پر ادارۂ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے حوالے سے تمام ممبر ممالک کی گارنٹی شامل ہے۔حال ہی میں ایک نامور پاکستانی دانشور جناب پروفیسر خورشید احمد نے ''کشمیر اور اقوام متحدہ'' کے عنوان سے ایک جامع اور جاندار مضمون قلم بند کیا ہے۔ہم اس مضمون کے چیدہ چیدہ نکات قارئین کی توجہ کے لئے پیش کر رہے ہیں:

O حق خودارادیت ایک مسلمہ حق ہے جس کا تعلق ایک علاقہ کے عوام کے اس حق سے ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں۔یہ تصور امریکہ کے 1776ء کے اعلان آزادی اور فرانس کے 1789ء کے اعلان حقوق انسانی میں مضمر ہے۔اقوام متحدہ نے مختلف مواقع پر اس تصور کو نوآبادیاتی دور کے خاتمے کے ساتھ منسلک کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس طرح یہ محض ایک تمنا نہیں بلکہ ایک قانونی حق اور مثبت فرض قرار دیا جائے۔

O بین الاقوامی قوانین اور جینوا کنونشن کے فیصلوں کے مطابق قوموں کے درمیان معاہدات اور بین الاقوامی یقین دہانیوں کا معاملہ کسی زمانی تحدید (Time Limitation) کا پابند نہیں ہے۔ایسا کوئی بین الاقوامی قانون، اصول یا روایت موجود نہیں ہے۔اس طرح تو قانون محض ایک کھیل بن جائے گا اور معاہدات بے معنی و بے وقعت ہو کر رہ جائیں گے۔

O کشمیر کی قراردادوں کا معاملہ محض ایک قرارداد کا نہیں بلکہ ایک اصول کا ہے یعنی

حق خودارادیت کا۔ یہ اقوام متحدہ کے چارٹر کا ایک بنیادی اصول ہے۔

- واضح رہے کہ حق خودارادیت اقوام متحدہ کے مقاصد میں سے ایک ہے اور کشمیر کی قراردادوں کا تعلق حق خودارادیت سے ہے جس میں وقت کے گزرنے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔
- اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی 1970ء اور 1974ء کی دو تاریخی قراردادوں میں بین الاقوامی قانون کو واضح کیا گیا ہے جسے اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک بشمول امریکہ، بھارت اور پاکستان نے تسلیم کیا ہے۔
- ان قراردادوں میں دو بنیادی اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے، ایک یہ کہ طاقت کے استعمال کے نتیجہ میں جو علاقہ حاصل ہوا ہو اسے قانونی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ جارحیت کے نتیجہ میں ملنے والے کسی خصوصی فائدے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔
- بین الاقوامی قانون کی اس پوزیشن کی روشنی میں سلامتی کونسل کی قرارداد مورخہ 24 جنوری 1957ء پر نظر ڈالیں جس میں مقبوضہ کشمیر کی نام نہاد آئین ساز اسمبلی کو غیر موثر قرار دیا گیا ہے، جس نے بھارت سے الحاق کی توثیق کی تھی، صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اسمبلی کی قرارداد اقوام متحدہ کے انتظام میں استصواب کا بدل نہیں اور کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ استصواب کے ذریعہ ہی کیا جاسکتا ہے۔
- عالمی ماہرین قانون کے کمیشن کی اپریل 1964ء کی رپورٹ میں کشمیریوں کے اس حق کا صاف الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے اور اسے وقت کی گردش سے آزاد مانا گیا ہے۔
- تقسیم ہند کے نتیجے میں جموں کشمیر کے عوام جس حق خودارادیت کے مستحق ہوئے تھے وہ ابھی تک استعمال نہیں ہوا اور نہ ختم ہوا ہے اس لئے آج بھی قابل

استعمال ہے۔

- چارٹر کے آرٹیکل 24 کے تحت سلامتی کونسل پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عالمی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے کے لئے موثر اقدام کرے۔ اس میں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ ہر ملک کا اتفاق کرنا ضروری ہے۔ اس شرط کے تو یہ معنی ہوں گے کہ کبھی بھی کسی بھی جارح کے خلاف اقدام نہ ہو سکے گا کیونکہ وہ خود اپنے خلاف اقدام کو کیوں قبول کرے گا؟
- آرٹیکل 25 میں کہا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کے ممبران موجودہ چارٹر کے مطابق سلامتی کونسل کے فیصلوں کو قبول کرنے اور بجا لانے کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر آرٹیکل 33 میں تنازع کے تمام فریقوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ خود یا اقوام متحدہ کے ذریعہ تمام تنازعات کے پرامن تصفیہ کے لئے مناسب اقدام کریں گے۔

(روزنامہ جنگ 29 مارچ 2001ء)

تیرہواں باب

پاکستانی زعما اور دانشوروں کی رائے

پاکستان کے اعلیٰ سطح کے کئی زعما اور دانشور مسئلہ کشمیر کے حل کے بارے میں نہایت حقیقت پسندانہ اور قابل عمل تجاویز پیش کرتے رہے ہیں جن پر بحث مباحثہ بھی ہوتا رہا ہے۔ ہم ان میں سے چیدہ چیدہ زعما کے ارشادات قارئین کے ملاحظہ کے لیے بہ تفصیل ذیل پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔

☆ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح

☆ ڈاکٹر محبوب الحق مرحوم سابق وزیر خزانہ منصوبہ بندی

☆ ائیر مارشل اصغر خان اور ائیر مارشل نور خان سابق سربراہاں پاک فضائیہ

☆ جنرل معین الدین حیدر سابق گورنر سندھ و موجودہ وزیر داخلہ پاکستان

☆ میاں محمد نواز شریف سابق وزیراعظم پاکستان

☆ محترمہ بے نظیر بھٹو سابق وزیراعظم پاکستان

☆ جناب بلخ شیر مزاری سابق وزیراعظم پاکستان



☆ پاکستان کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان

☆ ایئر مارشل خورشید انور مرزا

☆ پاکستان مسلم لیگ فنکشنل کے صدر جناب پیر پگاڑا

☆ جمعیت علمائے اسلام کے لیڈر مولانا محمد خان شیرانی

☆ ڈاکٹر مبشر حسن، سابق وزیر خزانہ پاکستان

☆ پروفیسر محمد طاہر القادری، بانی تحریک منہاج القرآن

☆ نامور صحافی و دانشور آئی اے رحمٰن

☆ ممتاز دانشور و ماہر اقتصادیات حمزہ علوی

☆ ممتاز دانشور و محقق پروفیسر مہدی حسن

☆ نامور مورخ ڈاکٹر مبارک علی

قائداعظم محمد علی جناح

1946 میں تقسیم برصغیر کا فیصلہ ہوگیا تو ہندوستان کی دیسی ریاستوں، جن کی تعداد 564 تھی، کے مستقبل کے بارے میں انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے نکتہ نظر میں واضح اختلاف سامنے آیا۔ کانگریس ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کو جائز سمجھتی تھی۔ اس کے برعکس مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے خلاف تھے۔ 21 اپریل 1947 کو آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خان نے ایک اخباری بیان میں مسلم لیگ کے موقف کی ان الفاظ میں وضاحت کی تھی۔

''ہندوستانی ریاستیں ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ معاہدے کرنے کے لیے آزاد ہیں یا وہ اپنے لیے مکمل خودمختاری کا اعلان بھی کرسکتی ہیں۔''

(روزنامہ ڈان 21 اپریل 47)

13 جون 47 کو وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریاستوں کے سوال پر تبادلہ خیال کے لیے ایک اجلاس بلایا جس میں کانگرس کی طرف سے جواہر لعل نہرو، ولبھ بھائی پٹیل اور کرپلانی اور مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر شامل ہوئے۔ نہرو نے سوال اٹھایا کہ ریاستوں کے پاس نہ بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے اور نہ جنگ کرنے کے وسائل ہیں اس لیے وہ حاکمیت اعلیٰ سے بہرہ ور خودمختار ریاستیں نہیں بن سکتیں۔ لیکن قائداعظم نے کہا کہ اس معاملہ میں ریاستوں پر کوئی جبر نہیں کرنا چاہئے ریاستیں اپنے بارے میں آپ فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔

(ظہور پاکستان۔ چوہدری محمد علی۔ صفحہ 278)

دوسرے ہی دن یعنی 14 جون کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا کہ

''برطانوی اقتدار اعلیٰ کے ختم ہوجانے سے ریاستیں آزاد خودمختار نہیں ہوجائیں گی کیونکہ وہ باقی ہند سے الگ نہیں رہ سکتیں۔''

(ظہور پاکستان، چوہدری محمد علی، صفحہ 279)

اس قرارداد کے پاس ہونے کے صرف تین دن بعد یعنی 17 جون کو قائداعظم نے ریاستوں کے بارے میں اپنا نکتہ نظر واضح الفاظ میں یوں بیان کیا:

''برطانوی اقتدار اعلی کے خاتمہ کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستیں آزاد و خودمختار ریاستیں بن جائیں گی۔ انہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ

اپنے لیے اپنی پسند کا کوئی راستہ اختیار کریں۔ انہیں اختیار ہو گا کہ ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ شامل ہو جائیں یا آزاد خودمختار حیثیت برقرار رکھیں۔ میری رائے میں ریاستیں اپنی خوشی کے مطابق خودمختار رہ سکتی ہیں حکومت برطانیہ، برطانوی پارلیمنٹ، کوئی اور طاقت یا کوئی اور ادارہ ریاستوں کی خواہش اور مرضی کے منافی کوئی فیصلہ ان پر عائد نہیں کر سکتا نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔''

(پاکستان ٹائمز 18 جون 1947)

11 جولائی 1947 کو مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمید اللہ خان اور پروفیسر محمد اسحق قریشی نے قائداعظم سے دہلی میں ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور ایک گھنٹے تک کشمیر کے مستقبل اور دیگر معاملات پر ان سے بات چیت کی۔ قائداعظم نے اگلے ہی روز اخبارات کے نام ایک بیان جاری کیا۔ انہوں نے کشمیر کے مستقبل کے بارے میں اپنا نکتہ نظر ان الفاظ میں واضح کیا۔

''ہم پہلے بھی واشگاف الفاظ میں واضح کر چکے ہیں کہ ہم کسی ریاست کو نہ مجبور کریں گے نہ ڈرائیں دھمکائیں گے، نہ کسی اور قسم کا دباؤ ڈالیں گے۔ ہر ریاست کو اپنی مرضی اور خوشی سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ جو ریاستیں اپنی مرضی سے پاکستان میں شامل ہونا چاہیں گی وہ ہمیں خیر مقدم کے لیے مسرور اور مستعد پائیں گی اور باہمی مفاد کے معاہدے طے کرنے کے لیے ہر وقت تیار پائیں گی۔ جو ریاستیں مکمل طور پر آزاد و خودمختار رہنا پسند کریں گی ہم ان کی اس خواہش کا پورا احترام کریں گے اور باہمی دوطرفہ مفادات کی خاطر ان سے مفید

اور اچھے اچھے معاہدے کریں گے۔''

(پاکستان ٹائمز 13 جولائی 47، قائداعظم کا پیغام از سید قاسم محمود صفحہ 218)

30 جولائی 1947 کو قائداعظم نے ایک بار پھر ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں اپنے موقف کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

''قانونی صورت یہ ہے کہ برطانوی راج کے ختم ہوتے ہی تمام ہندوستانی ریاستیں خود بخود آزاد و خودمختار ہو جاتی ہیں اس لیے وہ اس بارے میں آزاد و خودمختار ہوں گی کہ پاکستان میں شامل ہو جائیں یا ہندوستان میں، یا پھر خودمختار رہیں۔ مسلم لیگ کا یہ موقف ہے کہ ہر ریاست کو اپنی تقدیر بنانے اور اپنے فیصلے خود کرنے کا حق حاصل ہے۔ مسلم لیگ کسی ریاست کو کوئی خاص راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔''

(قائداعظم کا پیغام۔ سید قاسم محمود صفحہ 220)

......oOo......

ڈاکٹر محبوب الحق (مرحوم) سابق وزیر خزانہ و منصوبہ بندی

1996 میں پاکستان کے سابق وزیر خزانہ و منصوبہ بندی ڈاکٹر محبوب الحق نے تنازعہ کشمیر کے حل کے لیے ایک تجویز پیش کی، جس میں تھرڈ آپشن یعنی خودمختاری کو بھی شامل کیا گیا۔ اس وقت کی کشمیر کمیٹی کے چیئرمین نوابزادہ نصر اللہ خان، وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان، مسلم لیگ کے سینیٹر راجہ ظفر الحق، امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد اور کئی دیگر لوگوں نے اس کے خلاف سخت ردعمل کا اظہار کیا جب کہ کئی دیگر حضرات نے اسے حالات حاضرہ میں مسئلہ کشمیر کے حل کی جانب ایک معقول قدم قرار دیا۔

ذیل میں ہم ڈاکٹر صاحب کی تجویز کے چیدہ چیدہ نکات پیش کرتے ہیں۔ ان کی تجویز چار حصوں پر مشتمل تھی۔

۱۔ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک اپنی فوجیں کشمیر سے نکال کر بارڈر کے قریب ایک مقررہ بیلٹ میں رکھیں۔

۲۔ کشمیر کے دونوں حصوں کے درمیان بارڈر کھول دیا جائے تاکہ کشمیری عوام آپس میں مل جل کر پر امن زندگی گزار سکیں۔

۳۔ انتظامیہ کی ساری مشینری کشمیریوں کے ہاتھ میں ہو۔ وہ قدم بہ قدم داخلی خود مختاری یعنی حکومت خود اختیاری کی طرف بڑھیں۔ دس سال کی عارضی مدت کے لیے اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ قائم کر دی جائے۔

۴۔ اس عارضی مدت کے بعد اقوام متحدہ کی زیر نگرانی رائے شماری کرائی جائے جس میں کشمیری عوام یہ فیصلہ کریں کہ وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں یا ایک آزاد خود مختار ریاست چاہتے ہیں۔

واضح رہے کہ 1948-1949 میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کشمیر کے بارے میں جو قراردادیں منظور کیں ان میں یہ طے پایا تھا کہ پاکستان ریاست سے اپنی ساری افواج نکال لے گا جب کہ بھارت اپنی افواج کا بڑا حصہ **Bulk** نکالے گا اور بقیہ حصہ امن و امان قائم رکھنے کے لیے رہنے دے گا۔ ڈاکٹر صاحب کی تجویز تھی کہ بھارت اور پاکستان دونوں بہ یک وقت اپنی ساری افواج ریاست سے نکال لیں گے۔

ڈاکٹر محبوب الحق کی تجویز کے بارے میں مخالفانہ طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو انھوں نے روزنامہ جنگ کے کالم نگار حنیف خالد سے ایک ملاقات میں بعض نکات کی وضاحت کی۔ مرحلہ وار حل کے بارے میں انھوں نے کہا:

''ایسے دیرپا مسئلے ایک جست میں حل نہیں ہوتے۔ اس سلسلہ میں

انھوں نے ہانگ کانگ پانامہ اور فلسطین کی مثال دیتے ہوئے کہا۔'' اگر چین چاہتا تو ہانگ کانگ کا علاقہ ایک جست میں لے سکتا تھا لیکن چین نے 1982 میں ایک مرحلہ وار عمل کو مان لیا۔ ہانگ کانگ 15 سال کے لیے برطانیہ کی ٹرسٹی شپ میں رہنے دیا اور طے پایا کہ 1997 میں ہانگ کانگ چین کے حوالے ہو جائے گا۔ اسی طرح جب 1979 میں پانامہ کے عوام نے شور مچایا کہ پانامہ کی نہر پر امریکی کنٹرول ختم ہونا چاہیے اور اسے پانامہ کی حکومت کے حوالے کیا جانا چاہیے ورنہ اسے بارود سے اڑا دیا جائے گا۔''

سمجھوتہ اس بات پر ہوا کہ 20 سال کے لیے امریکہ کی ٹرسٹی شپ رہے اور 1999 میں نہر پانامہ کو واپس کر دی جائے۔ چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں مسئلے خود بخود حل ہو گئے۔

تھرڈ آپشن کے بارے میں اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تنازعہ کشمیر کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا جائے۔ پچاس سال گزر گئے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ اقوام عالم کی نظر میں تنازعہ کشمیر بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک سرحدی تنازعہ سمجھا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک کروڑ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کو سٹیج اور سپاٹ لائٹ **(STAGE AND SPOTLIGHT)** کے مرکز میں لایا جائے۔ جب تک ہم ہندوستان یا پاکستان کی رٹ لگاتے رہیں گے اقوام عالم اس تنازعہ کو بھارت و پاکستان کے درمیان نہ ختم ہونے والا سرحدی یا غیر سرحدی تنازعہ سمجھ کر کتراتے ہوئے بے زاری سے آگے نکل جائیں گے اور یہ مسئلہ کبھی سنجیدہ توجہ حاصل نہیں کر سکے گا۔

''تیسرے آپشن کے اور بھی مقاصد ہیں۔ایک طرف یہ بھارت کے لیے خفت سے مبرا فارمولا ہے۔دوسری طرف یہ انصاف کا بھی تقاضہ ہے۔یہ کہاں کی منطق ہے کہ ہم یہ تو کہیں کہ کشمیری عوام اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں گے لیکن انہیں آزادی اور خودمختاری کی راہ چننے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جانوں کی قربانی تو کشمیر کے غیرت مند عوام دیں لیکن ان کی قسمت کا فیصلہ پاکستان میں ہو یا بھارت میں؟''

اس خدشے پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہ اگر کشمیر آزاد و خودمختار ہو گیا تو وہ امریکی عزائم کا اڈہ بن جائے گا ڈاکٹر محبوب الحق نے اظہار کیا کہ

''سچ پوچھیے تو مجھے برسوں سے اس سے زیادہ مضحکہ خیز دلیل نظر نہیں آتی۔اگر امریکہ کشمیر کے خطے کو اپنے عزائم کا اڈہ بنانا چاہتا ہے تو اسے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہو۔پاکستان کے علاوہ دنیا میں شاید ہی کوئی دوسرا ملک ہوگا جس نے امریکی مفاد کے ساتھ حق وفاداری اس استواری کے ساتھ نبھایا ہو۔امریکہ کی عقل پر پردہ پڑا ہے کہ وہ اپنے ایک دیرینہ غلام کو چھوڑ کر ایک غیر مانوس آزاد قوم کے ساتھ اپنا مفاد منسلک کرلے اور کیا یہ کشمیری عوام کی غیرت پر ایک بہت بڑی تہمت نہیں؟ وہ سربکف ہو کر غلامی کے دور میں کٹ تو گئے لیکن نہ بک سکے نہ جھک سکے۔لیکن جب وہ آزاد ہوں گے تو کیا وہ اپنی آزادی کو خرید و فروخت والی جنس سمجھیں گے؟ یہ دلیل تو کشمیریوں کے جذبہ حریت اور ان کی خرد کی بلوغت کے ساتھ ایک نہایت دردناک مذاق ہے۔''

ائیر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان ائیر مارشل (ریٹائرڈ) نور خان جنرل (ریٹائرڈ) معین الدین حیدر

پاک فضائیہ کے سابق سربراہان ایر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان اور ائیر مارشل ریٹائرڈ نور خان اور سندھ کے سابق گورنر اور موجودہ وزیر داخلہ پاکستان جنرل ریٹائرڈ معین الدین حیدر نے کراچی میں منعقد ہونے والے سیمینار ''مسلح افواج اور تعمیر قوم'' کے دوسرے سیشن سے خطاب کرتے ہوئے چند ایسے حقائق پر روشنی ڈالی جن سے ملک کے بعض کوتاہ اندیش عناصر کے اندر ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی اور ان عمائدین کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ائیر مارشل نور خان نے اپنے خطاب میں کہا تھا:

۱۔ کشمیر پر ہم نے جو جنگیں لڑیں وہ غیر ضروری تھیں۔1965اور1971 کی جنگیں پاکستان نے شروع کی تھیں۔ بھارت نے ان میں پہل نہیں کی تھی۔

۲۔ کشمیر کو پاکستانی فوج آزاد نہیں کراسکتی۔جب بھی اس مسئلہ پر تصادم ہوگا یہ پاک بھارت مسئلہ بن جائے گا اور مسئلہ کشمیر پس منظر میں چلا جائے گا۔

۳۔ ہمارے حکمرانوں کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ وہ کتنی دیر جنگ لڑ سکتے ہیں 1965اور1971 کی جنگیں بالترتیب 15اور17 دنوں میں ختم ہوگئی تھیں۔ ہزاروں افراد ہلاک ہوئے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

۴۔ مسلح افواج میں 20 تا25فی صد کمی کے لیے پانچ تا دس سال کا منصوبہ بنایا جائے۔اس سے دفاعی صلاحیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔دس سال بعد جنگ اور ہتھیاروں کی نوعیت بدل سکتی ہے۔اس لیے ہمیں ہر سال دفاعی بجٹ میں GNP کے تین فی صد تک کمی کرنی ہوگی۔

۵۔ کشمیر پاکستان کی شہ رگ نہیں ہے۔لہٰذا شہ رگ کا راگ الاپنا بند کیا جائے جنرل

ریٹائرڈ معین الدین حیدر نے ائیر مارشل نور خان کے نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ''ہمیں اس بات پر نہیں اڑے رہنا چاہیے کہ کسی علاقے کو شہ رگ کہہ دیا تو کہہ دیا۔ہمیں اپنا ذہن کھلا رکھنا چاہیے۔ ہمیں سارے آپشنز (Options) کھلے رکھنے چاہیں اور دروازے بند نہیں کرنے چاہیں۔سنگاپور کو ملائیشیا اور انڈونیشیا سے خطرہ تھا۔اس نے اجتماعی ترقی کی طرف توجہ دی اور آج ترقی یافتہ ممالک میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ چین اگر چاہتا تو آدھے دن میں ہانگ کانگ پر قبضہ کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

(جنگ لندن 5 اگست 1997ء)

ان تقاریر کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کرنے والوں میں نوابزادہ نصر اللہ خان، جماعت اسلامی کے قائدین حافظ محمد ادریس میاں مقصود احمد اور سید منور حسین، پیپلز پارٹی کے چوہدری منور انجم اور عوامی قیادت پارٹی کے چیئرمین جنرل ریٹائرڈ اسلم بیگ شامل تھے۔ان حضرات نے فضائیہ کے دونوں سابق سربراہاں اور جنرل معین الدین حیدر کو بھارتی لابی قرار دیتے ہوئے ان کی سخت مذمت کی۔کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار نہ دینے کو قائداعظم کی توہین اور فوجوں میں کمی کے مشورے کو شکست خوردگی کی علامت اور غداری قرار دیا گیا۔اس قبیل کے پاکستانیوں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ بھارت کو اپنا مسکن بنالیں۔ بصورت دیگر ان کی زبانیں کھینچ لی جائیں گی۔''جنرل اسلم بیگ نے خاص طور پر اصغر خان اور نور خان کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ''ان کا مقصد پاکستان پر بھارت کی بالا دستی ثبت کرانا ہے اور یہ حضرات امریکی ایجنڈے پر کام کررہے ہیں۔''

(روزنامہ خبریں 6 اگست 1997ء)

محمد نواز شریف سابق وزیراعظم پاکستان

6 جون 1997 کو وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے بھارت کے نجی ٹی وی چینل ای ایل ٹی وی (EL TV) کو انٹرویو دیتے ہوئے تجویز پیش کی کہ پاکستان اور بھارت کو ایک دوطرفہ انتظام کے تحت کشمیر سے اپنی فوجیں نکال لینی چاہیں تاکہ اعتماد کی فضا بحال کرنے میں مدد مل سکے۔اسی طرح دونوں ملکوں کو دفاعی بجٹ میں بھی کٹوتی کرنی چاہیے۔اس طرح دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر ہوسکتے ہیں۔یہ بات دونوں ملکوں کے مفاد میں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

(روزنامہ جنگ لندن 7 جون 1997)

بے نظیر بھٹو، سابق وزیراعظم پاکستان

26 مئی 1999ء کو وڈرو ولسن انسٹی ٹیوٹ میں خطاب کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو صاحبہ نے خیال ظاہر کیا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے اسرائیل اور اردن کے درمیان کھلی سرحدوں کے ماڈل کو سامنے رکھ کر قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔انہوں نے کہا کہ پہلے مرحلے میں آزاد و مقبوضہ کشمیر کے شہریوں کے درمیان آزادانہ آمدورفت کا بندوبست کیا جائے۔ دوسرے مرحلے میں جنوبی ایشیا کو فری ٹریڈ زون بنایا جائے اور پاکستان و بھارت کے درمیان آزادانہ تجارت اور شہریوں کی آزادانہ آمدورفت کی اجازت دی جائے۔تیسرے مرحلے میں یہ دیکھا جائے کہ کشمیری کیا چاہتے ہیں۔

(نوائے وقت 27 مئی 1999)

اسی سال 30 مئی کو بے نظیر بھٹو نے وائس آف امریکہ (VOA) کو خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے پھر کہا کہ ''مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے اسرائیل اور اردن کا ماڈل سامنے رکھا جائے جن کی کھلی سرحدیں ہیں اور جنہوں نے ایک مشترکہ ہوائی اڈہ بھی بنایا

ہوا ہے۔'' انہوں نے کہا ''سرحدوں کی بندش سے کچھ نہیں ملتا۔ یہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ سرحدیں کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں۔ خیالات سرمایہ اور تجارت ایک طرف سے دوسری طرف منتقل ہوتے ہی رہتے ہیں۔

(نوائے وقت 31 مئی 1999)

بلخ شیر مزاری سابق وزیراعظم پاکستان

سردار بلخ شیر مزاری سابق نگران وزیراعظم پاکستان نے 4 جنوری 1998ء کو اوکاڑہ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ کشمیر کو 5 سے 15 سال کے لئے اقوام متحدہ کے کنٹرول میں دے دیا جائے۔ اسکے بعد کشمیری عوام کو اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔ انہوں نے کہا:

''اگر ہماری نیت اچھی ہوتی تو ہم کشمیر کو قبرص کی طرز پر ایک خود مختار اور آزاد ملک قرار دے دیتے۔''

(روزنامہ جنگ لاہور 5 جنوری 1998ء)

یہی بیان انہوں نے راجن پور میں اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے 29 اکتوبر 2000ء کو دہرایا۔

(روزنامہ نوائے وقت 30 اکتوبر 2000ء)

ڈاکٹر عبدالقدیر خان نامور ایٹمی سائنسدان

پاکستان کے مایہ ناز ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے وائس آف امریکہ کو انٹرویو دیتے ہوئے مسئلہ کشمیر کے حل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ

''کشمیر کا مسئلہ حل طلب ہے۔ ممکن ہے یہ مسئلہ بات چیت کے

ذریعے حل کرلیا جائے۔ بھارت کشمیریوں کو حق خود ارادیت نہیں دے رہا اور کشمیر کو اپنا حصہ قرار دیتا ہے۔ لیکن پاکستان چاہتا ہے کہ کشمیری عوام کو حق خود اختیاری ملے اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خود فیصلہ کریں۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ میں دونوں ملکوں کے سیاستدان اس نتیجہ پر پہنچیں کہ کشمیریوں کو 20-25 سال کے لئے ان کے اپنے حال پر آزاد چھوڑ دیں۔ پھر کشمیری یہ فیصلہ کریں کہ وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان و بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس کا یقیناً باہمی اتفاق سے کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔''

(نوائے وقت 6 جون 1999ء)

ضروری نوٹ: ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے اس اظہار رائے کے جواب میں روزنامہ نوائے وقت نے اسی روز ایک تنقیدی ادارتی نوٹ شائع کیا جس میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ

''یہ بیان ان کے (ڈاکٹر قدیر کے) اس میدان عمل کے مدار میں نہیں آتا جس میں انہیں مہارت تامہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان فرزند پاکستان ہیں، وہ محسن پاکستان بھی ہیں۔ ایک محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے انہیں اپنے زاویہ نظر سے سوچنے اور اپنی ذاتی رائے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن وہ چونکہ سیاستدان نہیں ہیں، اس لئے انہیں سیاسی امور پر، بالخصوص جن کا تعلق پاکستان کی سلامتی اور خارجہ پالیسی سے ہو، اپنی ذاتی رائے کو ابلاغ عامہ کی دسترس میں نہیں دینا چاہئے۔ مسئلہ کشمیر پر ان کا یہ بیان بھی بحث کے متعدد

متنازعہ موضوعات کو جنم دے سکتا ہے۔"

(اداریہ نوائے وقت 6 جون 1999ء)

ائیر مارشل (ریٹائرڈ) خورشید انور مرزا

ائیر مارشل (ریٹائرڈ) خورشید انور مرزا نے "جنگ" میں "آخری راؤنڈ" کے عنوان سے ایک قسط وار مضمون لکھا۔ اس مضمون کی دوسری قسط میں 22 مئی 1990ء کو انہوں نے لکھا۔

"آیا کشمیر پاکستان کے حق میں فیصلہ دیتا ہے، یا آزاد رہتا ہے دونوں صورتوں میں ہماری سلامتی میں اضافہ ہوگا اور ایسی صورت میں بھارت مقبوضہ کشمیر کو ہمارے سر کے اوپر ڈیموکلیز کی تلوار کی طرح لٹکائے نہیں رکھ سکتا ہے۔"

(روزنامہ جنگ 22 مئی 1990)

فنکشنل مسلم لیگ کے صدر جناب پیر پگاڑا

جولائی 2000ء میں روزنامہ جنگ کے سنڈے میگزین میں پیر پگاڑا کا ایک طویل انٹرویو شائع ہوا۔ انٹرویو میں پیر صاحب سے ایک سوال کشمیر کے بارے میں بھی پوچھا گیا کہ

"کشمیر کے مسئلے کا آپ کی نظر میں کیا حل ہے؟"

پیر صاحب نے جواب دیا:

"کشمیری کبھی رائے شماری میں پاکستان کے حق میں رائے نہیں دیں گے میری کامن سینس، میری عقل یہ کہتی ہے کہ کشمیری خودمختار

کشمیر کے حق میں رائے دیں گے"

(جنگ سنڈے میگزین 30 جولائی 2000ء)

26 جنوری 2001ء کو پیر صاحب نے کنگری ہاؤس کراچی میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام "شہدائے تحریک پاکستان" کے بارے میں منعقد کی جانے والی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:

"کشمیر نہ پہلے ہمارا تھا، نہ اب ہے، نہ آئندہ ہوگا۔"

تقریب میں مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں، علمائے کرام، اہل علم و دانش اور زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

(روزنامہ جنگ 27 جنوری 2001ء)

جمعیت علمائے اسلام کے لیڈر مولانا محمد خان شیرانی

قومی اسمبلی میں جمعیت علمائے اسلام کے پارلیمانی لیڈر مولانا محمد خان شیرانی نے 28 فروری 1992ء کو نمائندہ پاکستان سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ کشمیری عوام کو اپنے فیصلے خود کرنے کا اختیار رہنا چاہئے۔ پاکستان کو ان کے معاملات میں مداخلت سے گریز کرنا چاہئے۔ یہ بات درست ہے کہ بھارت کشمیریوں پر انتہائی ظلم کر رہا ہے لیکن پاکستان نے بھی کم ظلم نہیں کئے۔ ہندوستان نے کشمیریوں کا خون بہایا ہے تو ہم نے ان کے خون کا سودا کیا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ ہم 44 سال سے شہ رگ کے بغیر ہی زندہ ہیں۔ کشمیریوں کے لئے اب پاکستان میں کوئی کشش نہیں رہی۔ ان کے لئے کشش کا باعث اسلام، جمہوریت اور اقتصادی ترقی نہیں رہی جو پاکستان میں نہیں ہے۔ کشمیری ہم سے اچھے مسلمان ہیں۔ ہندوستان میں ہم سے زیادہ جمہوریت ہے اور اقتصادی لحاظ سے بھی وہ ہم سے کافی آگے ہیں۔ اس لئے کشمیریوں کے سر ہر

پاکستان سے الحاق کرنے کا نظریہ نہیں تھوپنا چاہئے۔ انہیں یہ اختیار دیا جانا چاہئے کہ وہ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں یا آزاد و خود مختار رہنا پسند کریں گے۔

(روزنامہ پاکستان 29 فروری 1992ء)

ڈاکٹر مبشر حسن سابق وزیر خزانہ پاکستان

پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما اور پاکستان کے سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن نے مسئلہ کشمیر کے منصفانہ اور آبرومندانہ حل کے لئے درج ذیل تجاویز پیش کیں:

O داخلی طور پر کشمیر کو متحد کر کے آزادی دی جائے اس کی اپنی کرنسی ہو اور اسے اس بات کی آزادی ہو کہ اقوام متحدہ کا ممبر بن جائے۔

O پاکستان اور کشمیر کے درمیان اور اسی طرح بھارت اور کشمیر کے درمیان ویزے کی کوئی پابندی نہ ہو۔

O کشمیر کو پاکستان اور بھارت دونوں سے تجارت کی آزادی ہو اور اس پر کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائے۔

O کشمیر کی نئی ریاست کو کراچی، ممبئی اور کلکتہ کی بندرگاہیں استعمال کرنے کی اجازت ہو۔

O اس کے نتیجہ میں پاک بھارت تنازعہ ختم ہو جائے گا اور کشمیریوں کو ان کا حق خودارادیت مل جائے گا۔

ڈاکٹر مبشر حسن نے اس خیال کی سختی سے تردید کی کہ کشمیر کی خودمختاری امریکہ کا منصوبہ ہے کیونکہ خودمختار کشمیر سے مراد ایک نئی اسلامی ریاست کا قیام ہوگا جو امریکہ اور روس دونوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، بانی تحریک منہاج القرآن

تحریک منہاج القرآن کے بانی ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے 1989ء میں رسالہ ''منہاج حریت'' کے ایک پینل کو مسئلہ کشمیر کے بارے میں ایک تفصیلی انٹرویو دیا۔ ذیل میں ہم اس تاریخی انٹرویو کے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔

جب تقسیم ہند ہوئی اور اس کے متعلق جو مذاکرات ہوئے اور جو معاہدہ طے پایا اس میں کشمیر کو پاکستان اور بھارت کا مسئلہ ہی نہیں بنایا گیا تھا۔ یعنی اس معاہدے میں یہ شق ہی نہیں تھی کہ دیگر ریاستوں کی طرح کشمیر کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ کریں کہ وہ انڈیا سے الحاق چاہتے ہیں یا پاکستان سے۔ نہیں...... یہ الفاظ نہیں تھے۔ اس قرارداد کے الفاظ یہ تھے کہ ان کو حق خودارادیت دیا جائے اور یہ طے پایا تھا کہ کشمیری لوگوں کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ یہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں۔ یہ حق خودارادیت حق آزادی اور حق حریت ہے یعنی یہ کوئی چیک نہیں ہے کہ ریاست جموں کشمیر انڈیا کے زیر تسلط رہنا چاہتی ہے یا پاکستان کے زیرنگین رہنا چاہتی ہے۔

اہل کشمیر پر پاکستان کے زیرنگین رہنے کی پابندی عائد کرنا بھی اسی طرح حق خودارادیت کو چھین لینے کے مترادف ہے جس طرح بھارت کے زیر تسلط رہنے کی پابندی لگا کر بھارت نے کشمیریوں کے حق خودارادیت کو کچلا ہوا ہے۔

معاہدہ تقسیم ہند میں یہ مشروط شق نہیں تھی۔ اس کی شق تو یہ تھی کہ کشمیر کے عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں۔ خواہ الحاق کرلیں یا ایک آزاد قوم کے طور پر خودمختار قوم اور ریاست کے طور پر اقوام متحدہ کا ممبر بنیں۔ اگر اسی طرح ہوتا اور اہل کشمیر اپنا حق خودارادیت استعمال کرتے تو صورتحال یہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔

''آج نہ تو آزاد کشمیر ایک خودمختار ریاست ہے اور نہ مقبوضہ کشمیر۔

دونوں طرف آزادی نہیں ہے بھارت اس کشمیر کو مقبوضہ کشمیر کہتا ہے اور ہم اس کشمیر کو مقبوضہ سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کو بھی اگر پاکستان کا علاقہ بتایا جائے اور اقوام عالم کو یہ تاثر دیا جائے کہ بھارت کے قبضے میں پاکستان کا علاقہ ہے اس پر پاکستان کا حق ہے تو اس مسئلے کی روح مجروح ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ریاست شروع سے ایک علیحدہ مسلم ریاست تھی اور اب بھی اسے بطور خودمختار علیحدہ ریاست کے Deal کرنا چاہئے۔''

(منہاج حریت صفحہ 28 تا 29)

ڈاکٹر صاحب نے حکومت پاکستان کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

''حکومت پاکستان کو چاہئے کہ وہ آزادی کشمیر کے لئے اسی نظریہ کے تحت مخلصانہ کوششیں کرے اور واضح پالیسیاں اپناتے ہوئے تحریک آزادی کشمیر میں ایک مسلمان ریاست کے طور پر اپنی حمایت بغیر کسی خوف وخطر اور لالچ کے جاری رکھے۔ پاکستان کو خالص انسانی اور اسلامی روح کے ساتھ اس تحریک میں حصہ لینا چاہئے نہ کہ اس لئے کہ وہ بھی بھارت کی طرح یہ سوچے کہ کشمیر کو بھارت کے قبضے اور تسلط سے چھڑا کر اپنے قبضے میں لایا جائے۔ نہیں...... پھر تو معاملہ دونوں صورتوں میں ایک ہی بن جائے گا۔ اس لئے اس وقت مسئلہ الحاق کا نہیں مسئلہ آزادی کشمیر کا ہے۔ تحریک منہاج القرآن اس مسئلے کو الحاق کے اینگل سے نہیں آزادی کے اینگل سے دیکھتی ہے۔ تحریک منہاج القرآن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تقسیم ہند کے وقت جو اس کی **Orignal Position** تھی کہ استصواب رائے کے ذریعے

یہ قوم اپنے حق خودارادیت کو استعمال کر کے اپنے مقدر کا فیصلہ خود کرے گی۔''

(منہاج حریت، صفحہ 29 تا 30)

9 اپریل 2001ء کو کوٹلی (آزاد کشمیر) کے مقام پر اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر محمد طاہر القادری نے کہا:

''میرا جینا مرنا کشمیری عوام کے ساتھ ہے۔ کشمیریوں کا مقدمہ سفارتخانوں سے اقوام متحدہ تک میں خود لڑوں گا اور یہ مقدمہ جیتوں گا۔ جموں و کشمیر کے عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہیں۔ الحاق اور خودمختاری کے نعرے قبل از وقت ہیں اور آزادی کی حتمی منزل میں اصل رکاوٹ ہیں ہمیں کشمیری عوام پر مکمل اعتماد ہے۔''

(روزنامہ نوائے وقت 10 اپریل 2001ء)

نامور صحافی اور دانشور آئی اے رحمٰن

اصل مسئلہ کشمیر ہے جو بنیادی اہمیت کا حامل ہے اس کو شہ رگ بھی کہا گیا ہے۔ ہماری ایک شہ رگ مشرقی پاکستان تھی جس کو ہم نے حل کرنے کی کوشش میں ضائع کر دیا۔ گزشتہ سات آٹھ ماہ میں میں نے کشمیر کے رہنماؤں سے گفتگو کی ہے میں اسے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، فیصلہ آپ خود کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری قومی جدوجہد تھی لیکن اس کی قیادت اسلام آباد چلی گئی ہے۔ عبدالغنی لون نے کہا ٹھیک ہے آپ ہماری مدد کریں لیکن ہمیں ہماری لڑائی لڑنے دیں۔ آپ نے بوسنیا، چیچنیا اور دوسری جنگوں میں مدد کی لیکن قیادت نہیں سنبھالی۔ اگر قیادت ہمارے ہاتھ میں نہیں رہے گی تو یہ

باہر والوں کی لڑائی تصور ہوگی۔ وہاں کے لوگوں (جن میں عورتیں بھی شامل ہیں) کا بیان ہے کہ:

"آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔"

انہوں نے پاکستان کے بارے میں جو کچھ کہا وہ میں یہاں بیان نہیں کر سکتا۔

(جنگ سنڈے میگزین یکم اپریل 2001ء صفحہ 8)

ممتاز دانشور، ماہر اقتصادیات و پولیٹیکل سائنٹیسٹ حمزہ علوی

جنگ سنڈے میگزین کو دیئے گئے ایک طویل انٹرویو کے دوران مسئلہ کشمیر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے جسے ہمیں حل کرنا چاہئے۔ اب اس بارے میں پیشرفت ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کشمیریوں کا ہے یہ پاکستان یا بھارت کا نہیں ہے۔ یہ کشمیریوں کی ذمہ داری اور ان کا حق ہے کہ وہ اسے حل کریں۔ ان کی اخلاقی مدد کرنا علیحدہ بات ہے۔ اگر وہ ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہیں تو انہیں خوش آمدید کہنا چاہئے اور اگر وہ خودمختار رہنا چاہیں تو یہ بھی درست ہوگا۔ اس مسئلہ کا کیا حل نکلتا ہے یہ کون جانے ہمیں اس کے پرامن حل کی راہ نکالنی چاہئے۔"

(جنگ سنڈے میگزین 25 مارچ 2001ء صفحہ 8)

ممتاز دانشور اور محقق پروفیسر مہدی حسن

نامور محقق اور دانشور پروفیسر مہدی حسن نے جنگ گروپ آف نیوز پیپرز کے زیر اہتمام "جہادی تنظیمیں اور پاکستان کی سلامتی" کے موضوع پر محفل مذاکرہ میں خطاب کرتے

ہوئے کہا:

"جب یہ کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں مجاہدین تکمیل پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں تو یہ پاکستان کے سرکاری موقف کی نفی ہوتی ہے۔ ایسا کہنے سے ہندوستان اور پاکستان کا موقف ایک ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کہتا ہے کہ کشمیر اٹوٹ انگ ہے اور پاکستان کہتا ہے کہ کشمیر شہ رگ ہے۔ ہمارا موقف یہ تھا کہ کشمیریوں کو فیصلہ کرنے دیا جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں لیکن ہم اپنا فیصلہ پہلے ہی دے دیتے ہیں کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔"

(جنگ سنڈے میگزین یکم اپریل 2001ء صفحہ 9)

نامور مورخ ڈاکٹر مبارک علی

"جہادی تنظیمیں اور پاکستان کی سلامتی" کے عنوان سے مذاکرہ سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر مبارک علی نے کہا:

"مجھے کشمیر کے جو لوگ ملتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہماری جدوجہد بالکل جائز تھی لیکن پاکستان نے مداخلت کر کے اس کو خراب کیا ہے آج بھارت کو یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ یہ کشمیریوں کی جدوجہد نہیں بلکہ پاکستان کا کیا دھرا ہے۔ ہمارے ہاں مسئلہ کشمیر کو ایسے پیش کیا جاتا ہے جیسے تمام عوام اس مسئلے پر ایک ہیں جو میرے خیال میں درست نہیں۔"

(جنگ سنڈے میگزین یکم اپریل 2001ء صفحہ 9)

الطاف گوہر سابق سیکرٹری انفارمیشن حکومت پاکستان

دہلی میں راجیو گاندھی فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام بھارت اور پاکستان کے درمیان قیام امن کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے جناب الطاف گوہر نے کہا:

''ہم کیوں اس بات پر راضی نہیں ہو جاتے کہ اگلے دس پندرہ سال تک ہندوستانی مقبوضہ اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر دونوں اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیئے جائیں؟ کیوں نہ دونوں علاقوں سے فوجیں ہٹا لی جائیں؟ انتظامی محکمے ختم کر دیئے جائیں اور دونوں مقبوضہ علاقوں کی سرحدیں کھول دی جائیں؟ کیوں نہ کشمیریوں کو یہ موقعہ دیا جائے کہ وہ خودمختاری سے فیضیاب ہوں اور پرامن ماحول میں ترقی کریں۔''

(الطاف گوہر ''لکھتے رہے جنوں کی حکایت'' صفحہ 413)

عبوری دور کے لئے ایک قابل عمل حل ۔ٹائمز آف کشمیر

جموں کشمیر کے مستقبل کے لئے کسی مستقل قابل عمل حل تک پہنچنے کے لئے ایک عبوری لائحہ عمل کا خاکہ ہفت روزہ ٹائمز آف کشمیر نے تجویز کیا ہے۔ جس کے مطابق لائن آف کنٹرول کے مشرقی جانب جو علاقے حکومت ہند کے زیر کنٹرول ہیں، ان میں دفاع، امور خارجہ اور سلسلہ رسل و رسائل کے سوا بقیہ تمام امور میں ریاست کو مکمل اندرونی خودمختاری دی جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس حصے کے تمام خطوں (**Regions**) یعنی لداخ، کشمیر اور جموں کی اسمبلیاں قائم کر کے انہیں اندرونی طور پر مکمل خودمختار کر دیا جائے اور اس طرح ان تمام اکائیوں میں جمہوریت کو عوام الناس کے دروازوں تک پہنچا دیا جائے۔

اس طرح لائن آف کنٹرول کے جنوب اور مغرب میں پاکستان کے تمام زیر

کنٹرول علاقوں میں دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل کے شعبہ جات کے سوا باقی تمام معاملات میں خودمختاری دی جائے۔ نیز اس حصے میں بھی بلتستان، گلگت اور آزاد کشمیر کی تین علاقائی اسمبلیاں قائم کی جائیں جنہیں اپنے اپنے دائرہ کار میں ہر شعبے میں مکمل اختیارات حاصل ہوں۔ اس طرح جمہوری عمل سب سے نچلی سطح(**Grass Roots**) تک پہنچایا جائے۔

اس عبوری دور میں بھارت اور پاکستان اپنے اپنے زیر کنٹرول حصوں کے دفاع کے فرائض سرانجام دیں۔

لائن آف کنٹرول کے دونوں جانب دونوں ممالک (بھارت اور پاکستان) کی افواج کی بڑی تعداد کو واپس بلا لیا جائے اور اس لائن کو اس حد تک سہل العبور اور **Porous** بنا دیا جائے کہ ریاست جموں و کشمیر کے دونوں جانب کے عوام صرف شناختی کارڈ دکھا کر ایک دوسرے حصوں میں آجا سکیں۔ اس طرح کشمیری عوام کے لئے اپنے عزیز و اقارب سے میل جول، تجارت، مقدس مقامات کی زیارت، سیاحت اور ثقافتی تبادلوں کو ممکن بنا دیا جائے۔

ریاست کے دونوں خطوں میں آمدورفت کے لئے بارہ مولہ مظفرآباد روڈ، جموں سیالکوٹ روڈ، نوشہرہ کوٹلی روڈ اور کرگل سکردو روڈ کھول دی جائیں تا کہ **1947**ء سے پہلے کی طرح ان شاہراہوں سے معمول کی آمدورفت بحال ہو جائے۔

دونوں خطوں میں قائم اسمبلیوں میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کسی غیر جانبدار ادارے کی نگرانی میں کرائے جائیں۔

دونوں خطوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ایک جوائنٹ کونسل بنائی جائے جو باہمی مفادات کے معاملات پر مشاورت کرتے رہیں اور تصفیہ طلب امور کے فیصلے کرتے رہیں۔

عبوری دور کے لئے بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کو اپنے اپنے زیر کنٹرول علاقوں کی تعمیر وترقی کے لئے وافر فنڈز مہیا کرنے چاہیں۔

(ٹائمز آف کشمیر 10 اگست 1997ء)

چودھواں باب

بعض غیر ملکی زعما اور اداروں کی رائے

کشمیر پر صرف کشمیریوں کا حق ہے۔ راجر گاڈسیف

برطانیہ کے پارلیمانی کشمیر گروپ کے چیئرمین راجر گاڈسف نے لندن میں کل جماعتی رابطہ کمیٹی کے ایک مظاہرے سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"کشمیر نہ بھارت کا حصہ ہے نہ ہی اس پر بھارت کے قبضے کا کوئی قانونی یا اخلاقی جواز ہے۔ کشمیر پاکستان کا حصہ بھی نہیں ہے۔ ریاست پر صرف کشمیریوں کا حق ہے اور صرف بھارتی مقبوضہ کشمیر آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کے علاقوں کے عوام ہی اس کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

(روزنامہ جنگ لندن 30 اکتوبر 1994ء)

کشمیر کو باونڈری فری زون بنایا جائے۔ مغربی سفیروں کی رائے

امریکہ، برطانیہ، جرمنی، کینیڈا، اور ناروے سمیت ۲۰ سے زیادہ ممالک کے

سفیروں نے مظفر آباد کے دورہ میں سردار عبدالقیوم خاں سمیت مختلف لیڈروں سے ملاقات کر کے، یہ تجویز پیش کی ہے کہ کشمیر کی آزادی کے لیے لٹکے ہوئے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ "اس علاقہ کو باونڈری فری زون قرار دیا جائے۔ سرحد کے دونوں جانب لوگوں کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں انہیں آپس میں میل جول بڑھانے کا موقع دیا جائے۔" جرمن سفیر نے کہا کہ "جرمن عوام نے دیوار برلن گرا کے اپنے مسائل کا حل تلاش کر لیا ہے اور ایک مثال قائم کی ہے۔"

ان خیالات کا اظہار آزاد کشمیر کے وزیر بحالیات چوہدری جاوید اختر نے گجرات میں میٹ دی پریس پروگرام میں کیا۔

(روزنامہ اوصاف 27 اپریل 1999ء)

کشمیر کو متحد کر کے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ واشنگٹن پوسٹ

واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں خود مختار کشمیر کو مسئلہ کشمیر کا واحد حل قرار دیا گیا ہے۔ پامیلا کانسٹیبل نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ پاکستان کی مدد سے شروع ہونے والی مسلح جدوجہد دم توڑ چکی ہے۔ تاہم پاکستان اور اس کے حمایت یافتہ مجاہدین اپنے مفادات کے لیے مسئلہ کشمیر کو ہوا دینے میں مصروف ہیں۔ دونوں ملکوں (بھارت اور پاکستان) میں مزید خوں ریزی سے بچنے کے لیے واحد طریقہ ہے اور حل بھی یہی ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں کشمیر کو متحد کر کے آزاد چھوڑ دیں۔

(روزنامہ اوصاف 29 جولائی 1999)

کشمیر کو خود مختاری دے کر کنٹرول لائن کھولی دی جائے۔ امریکی فارمولا

اسلام آباد...... باخبر ذرائع کے مطابق اعلان واشنگٹن کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل

کے لیے امریکہ نے پاکستان اور بھارت کو ایک فارمولا بھیجا ہے۔، جس کے مطابق تجویز کیا گیا ہے کہ

آزاد اور مقبوضہ (پاکستانی اور بھارتی) کشمیر کی حکومتوں کو زیادہ خود مختاری دے کر کنٹرول لائن کھول دی جائے۔

5 سال تک کشمیریوں کو آر پار آنے جانے، باہمی گفت و شنید اور میل جول کا موقعہ دیا جائے۔

5 سال بعد دونوں حصوں میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرائے جائیں۔
منتخب ہونے والی دونوں اسمبلیاں باہم مل کر کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔
بھارت کشمیر میں شہریوں پر فوج کشی بند کرے اور پاکستان مسلح جدوجہد کی حمایت نہ کرے

(روزنامہ جنگ لندن 3 اگست 1999)

کشمیر کو خود مختار ریاست بنا دیا جائے، خوشونت سنگھ

کراچی...... بھارتی صحافی اور دانشور خوشونت سنگھ نے کہا ہے کہ کشمیر کو جائیداد (REAL ESTATE) سمجھ کر تقسیم کیا گیا ہے۔ روٹری انٹرنیشنل کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم چوتھی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں لیکن پانچویں جنگ نہیں ہوگی کیونکہ چوتھی جنگ کے بعد کوئی نہیں بچے گا۔ انہوں نے کہا کہ کشمیری نہ پاکستانی ہیں نہ انڈین۔ وہ صرف کشمیری ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے بھارت میں پاکستان کا ایجنٹ کہا جاتا ہے میں یہاں آ رہا تھا تو مجھ سے کہا گیا کہ اب واپس نہ آنا۔ خوشونت سنگھ نے تجویز کیا کہ کشمیر کو ایک خود مختار مملکت قرار دیا جائے اور بھارت و پاکستان دونوں اس کے دفاع کی ضمانت دیں۔

(روزنامہ نوائے وقت 31 مارچ 2000ء)

پاک بھارت پیپلز فورم برائے امن وجمہوریت

نئی دہلی...... ایک غیر سرکاری تنظیم انڈیا پاکستان پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی

(INDIA PAKISTAN PEOPLES FORUM FOR PEACE AND DEMOCRACY)

کے زیر اہتمام 24،25 فروری 1995 کو نئی دہلی میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں شرکت کے لیے پاکستان سے ایک سو دانشوروں کو دعوت دی گئی تھی جن میں سابق وزرا، سابق ممبران پارلیمنٹ، سابق اعلیٰ فوجی وسول افسران شامل تھے۔ ڈاکٹر مبشر حسن (سابق وزیر خزانہ) جسٹس دراب پٹیل اور نامور صحافی آئی اے رحمٰن نے بھی اجلاس میں شرکت کی۔

کنونشن میں شریک مندوبین نے کشمیر میں بھارتی مسلح افواج اور مجاہدین کی طرف سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی مذمت کی۔ 15 نکاتی سفارشات میں دونوں ممالک (بھارت اور پاکستان پر زور دیا گیا کہ

O جموں کشمیر کے دونوں حصوں میں قیام امن، رواداری اور جمہوریت کے فروغ کے لیے مثبت اقدامات کریں۔

O کنونشن کی رائے میں مسئلہ کشمیر کوئی علاقائی تنازعہ نہیں ہے بلکہ لائن آف کنٹرول کے دونوں جانب رہنے والے کشمیریوں کی زندگیوں اور خواہشات کا معاملہ ہے۔

O کشمیریوں کو شامل کر کے مسلہ کا پرامن جمہوری حل تلاش کیا جائے تا کہ پاک بھارت امن کو فروغ ملے۔

O دونوں ملک متوازن انداز میں روایتی فوجوں میں کمی کریں۔

O دونوں ملک ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی مہم سے دور رہیں اور بین الاقوامی معاہدے کا انتظار کیے بغیر دوطرفہ معاہدے کریں۔

O دونوں ملک تعصبات کا خاتمہ کر کے ایسا معاشرتی اور تعلیمی نظام قائم کریں جس میں مذہبی رواداری ہو۔

O دونوں ملک ویزے کی پابندیاں ختم کر دیں تا کہ امن کے فروغ کے لیے عوام آزادی سے ایک دوسرے ملک میں آجاسکیں۔

(روزنامہ جنگ 27 فروری 1995)

فورم کی دوسری دو روزہ کانفرنس 9-10 نومبر 1995 کو لاہور میں منعقد ہوئی جس میں بھارت سے آنے والے وفد کی قیادت سابق گورنر پنجاب وسابق مرکزی سیکرٹری شری نرمل مکرجی کر رہے تھے۔ فورم کے چیئرمین برائے پاکستان آئی اے رحمٰن چیئرمین برائے بھارت نرمل مکرجی اور ڈاکٹر مبشر حسن نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ جس میں انہوں نے کہا:

O بھارت اور پاکستان کی حکومتیں کشمیری عوام کی خواہشات کو مسلسل نظر انداز کر رہی ہیں۔

O اقوام متحدہ کی قراردادیں غیر متعلقہ اور دور از کار ہو گئی ہیں۔

O کنٹرول لائن کے دونوں طرف آزادانہ انتخابات کرائے جائیں جو دونوں جانب کے کشمیریوں کے حقیقی نمائندوں کا انتخاب کریں۔

O یہی منتخب نمائندے جموں کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔

پیپلز فورم نے جموں کشمیر کا تنازعہ حل کرانے کے لئے ایک مشترکہ کمیٹی بھی قائم کی۔

(ہفت روزہ کشمیر 14 تا 20 نومبر)

مسٹر جسٹس تارکنڈے

بھارت کے مشہور عالم قانون دان اور دانشور جسٹس تارکنڈے نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ

"ریاست میں کرائی جانے والی رائے شماری میں الحاق کے علاوہ خود مختاری کا حق بھی ہونا چاہئے۔ اگر کشمیری خود مختار رہنا چاہتے ہوں تو ہندوستان اور پاکستان دونوں کو کشمیر کی علاقائی حدود کی ضمانت دینی چاہئے اور اقوام متحدہ سے کہا جائے کہ وہ بھی ان علاقائی حدود کی ضمانت دے۔"

(روزنامہ پاکستان 23 فروری 1992ء)

کشمیر کی علیحدگی سے بھارت کو کوئی خطرہ نہیں، آر ڈی ساٹھے

بھارت کے سابق سیکرٹری خارجہ آر۔ ڈی۔ ساٹھے نے ڈاکٹر دابھولکر کے نام لکھے گئے ایک خط میں، جو ان کی مراٹھی زبان میں لکھی گئی کتاب میں شامل ہے، کہا ہے کہ

- O کشمیر میں بھارتی افواج، جارح افواج کی حیثیت رکھتی ہے اور انہیں یہ علاقے خالی کرنی پڑیں گے۔
- O کشمیری مسلمان بھارت سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔
- O اگر کشمیر سے بھارت کی افواج واپس ہو گئیں تو اس کے سیکولر کردار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے سیکولر کردار کا تعلق کشمیر سے نہیں ہے۔ مسلمان سارے بھارت میں رہتے ہیں۔
- O بھارت نے کشمیر پر قبضہ کر کے بڑی غلطی کی تھی۔
- O اگر کشمیری عوام کی خواہش ہو تو وہ بھارت سے الگ رہ سکتے ہیں۔ اس سے انہیں

روکا نہیں جا سکتا لیکن یہ کام مہذب انداز سے سرانجام دیا جانا چاہئے۔

- O اگر کشمیر بھارت سے الگ ہو گیا تو اس کی (بھارت کی) سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔

(روزنامہ جنگ راولپنڈی 21 ستمبر 1993ء)

وزیر اعظم وی پی سنگھ کے سیکرٹری پریم شنکر

مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے مخلصانہ تجاویز:

- O جنگ بندی لائن کو بھارت اور پاکستان کے کنٹرول سے آزاد رکھا جائے۔ دونوں "کشمیروں" کے درمیان آزادی سے آمد و رفت اور تجارت کا سلسلہ جاری رہے۔ اسلام آباد اور دہلی سے کسی اجازت کی ضرورت نہ رہے۔
- O دونوں کشمیری حکومتیں اپنے عوام کی بھلائی، تعمیر و ترقی اور اتحاد کے لئے کوششیں کریں۔
- O ہندوستان آزاد کشمیر پر اور پاکستان وادی وغیرہ پر اپنے مطالبے بند کریں۔
- O دونوں کشمیر مل جائیں کسی کا کوئی مطالبہ نہ رہے۔ ان کی کوئی فوج نہ ہو۔ بھارت اور پاکستان دونوں مشترکہ طور پر اس ریاست کا تحفظ کریں۔
- O اس طرح دونوں ممالک کی عزت بحال ہو جائے گی۔ کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور کشمیریوں کو آزادی بھی مل جائے گی۔

(ہفت روزہ کشمیر 18 تا 24 فروری)

وال سٹریٹ جرنل

امریکہ کے مشہور جریدے وال سٹریٹ جرنل نے 20 ستمبر 1995ء کی اشاعت میں لکھا:

''ہم بین المملکتی (BILATERAL) معاملات کو بین الاقوامی حیثیت دینے (Internationalize) پر ناک بھول کیوں چڑھاتے ہیں۔ کشمیر ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں اقوام متحدہ کی پہلی قرارداد کو نئی روح بخش کر کشمیری عوام کو حق خوداختیاری دینا اشد ضروری ہے کیونکہ اب صورتحال یہ ہے کہ کشمیر کی دو بدمعاش پڑوسی ایٹمی ریاستیں (Rogue Nuclear States) یہاں ایک بالواسطہ (Proxy) جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔''

''سوال اس وقت یہ ہے کہ موجودہ خون آشام صورتحال سے نجات حاصل کر کے کس طرح ایسے نارمل حالات پیدا کیے جائیں جن میں جوہری جنگ کا خطرہ باقی نہ رہے اور امن قائم ہو سکے......''

''ایسی صورتحال کو بدلنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو علاقائی حیثیت سے نکال کر ایک بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا جائے۔ اس کے لئے کچھ زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔ اقوام متحدہ کی قرارداد پہلے ہی موجود ہیں۔ اقوام متحدہ کے مبصرین 1949ء سے ہی ریاست میں موجود ہیں۔''

(وال سٹریٹ جرنل 20 ستمبر 1995ء)

پندرہواں باب

کشمیریوں کی خاموش اکثریت کیا کہتی ہے؟

گزشتہ ابواب میں کشمیری لیڈروں کی سیاست گری اور آئے دن نئے آقاؤں کی تلاش کی جو روئیداد بیان کی گئی ہے اس سے کشمیری عوام کا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عوام کوئی رائے نہیں رکھتے۔ عوام کی خاموش اکثریت یقیناً واضح رائے رکھتی ہے۔ جب بھی موقعہ ملتا ہے وہ اس کا اظہار برملا کرتے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل بھارت کے ایک جریدہ آؤٹ لک (Out-Look) نے جموں کشمیر کی رائے عامہ کا ایک جائزہ شائع کیا۔ حیرت انگیز طور پر 72 فی صد کشمیریوں نے خود مختاری کے حق میں رائے ظاہر کی۔ بھارت کی انتہاپسند ہندو تنظیمیں اس سروے سے اس قدر ناخوش ہوئیں کہ دہلی میں آؤٹ لک کا دفتر تہس نہس کر دیا گیا۔

سال رواں کے آغاز میں برطانیہ میں سی این این (CNN) نے ایک ٹیلی سروے کے ذریعہ عوام کی رائے پوچھی۔ 81 فی صد کشمیریوں نے خود مختاری کے حق میں رائے ظاہر کی۔

امریکہ کے ایک مشہور اخبار لاس اینجلز ٹائمز کے ایک نمائندہ نے کشمیر کا ایک خاموش دورہ کیا اور لوگوں سے رائے دریافت کی۔ اخبار نے لکھا:

"میں نے اپنے قیام کے دوران صحافیوں، وکلاء، سیاسی کارکنوں، انجینئروں، ہوٹل والوں ٹیکسی ڈرائیوروں اور ہر شعبہ زندگی کے لوگوں سے ملاقات کی۔ ان سب نے بھارت کے بارے میں سخت برہمی کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا ہم آزادی چاہتے ہیں اور آزاد خود مختار ہونے کے بعد پاکستان اور بھارت سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ کشمیریوں کی آزادی کا عزم وہاں کی سربفلک چوٹیوں کی طرح بلند ہے۔"

(روزنامہ جنگ 4 مئی 1990)

پروفیسر ولیم بیکر قدیم تاریخ اور ادب کے پروفیسر ہیں۔ ان کی کشمیر پر کتاب "وادی مسرت وادی موت" شائع ہو چکی ہے۔ انہوں نے کشمیر کا دورہ کرنے کے بعد وائس آف امریکہ **VOA** کے نمائندے سے بات کرتے ہوئے بتایا۔

"کشمیر میں مجھے ایک بھی ایسا شخص نہیں ملا جو کسی سے الحاق چاہتا ہو وہ صرف آزادی چاہتے ہیں۔"

(نوائے وقت 16 مئی 1994)

کشمیر وکلاء کنونشن کی قرارداد

کشمیر کے ساڑھے تین ہزار **(3500)** وکلاء نے ایک قرارداد کے ذریعہ کشمیر کو پانچ سال کے لئے اقوام متحدہ کی تحویل میں دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ پانچ سال کا عرصہ پورا ہونے سے قبل پاکستان اور بھارت کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹالیں تا کہ

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام تازہ کشمیر کے حل کے لئے آزادانہ اور منصفانہ استصواب رائے کرایا جاسکے۔

یہ قرارداد وکلاء کنونشن میں پاس کی گئی جو کشمیر بار ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام سری نگر میں منعقد ہوا۔

(روزنامہ جنگ 30 ستمبر 1993ء)

جموں کشمیر امن کمیٹی

1992ء کے اوائل میں سری نگر میں قائم شدہ جموں کشمیر امن کمیٹی نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے بعض قابل عمل تجاویز پیش کیں۔ جن میں حسب ذیل اقدامات تجویز کئے گئے:

- O پاکستان اور بھارت کی حکومتیں ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کر کے حریت پسندوں اور بھارتی افواج کے درمیان لڑائی بند کرائیں۔
- O وادیٔ کشمیر میں جلد از جلد امن و قانون کی صورتحال بحال کی جائے۔
- O لائن آف کنٹرول کو کھلا چھوڑ دیا جائے تا کہ دونوں طرف کے لوگ آزادی سے ایک دوسرے سے مل سکیں۔
- O چھ ماہ بعد ایک سہ فریقی کانفرنس ہندوستان، پاکستان اور کشمیری نمائندوں کی بلائی ہوئی اور امن و آشتی کے ماحول میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔

(ہفت روزہ کشمیر 11 تا 17 فروری 1992ء)

نامور کشمیری دانشور جناب یوسف بچھ

جناب یوسف بچھ سرزمین جموں کشمیر کے ایک مشہور دانشور اور مفکر ہیں وہ آزاد کشمیر میں مرحوم میر واعظ یوسف شاہ کی حکومت میں شامل رہے ہیں اور حکومت پاکستان کے مشیر اور سفیر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

بچھ صاحب مسئلہ کشمیر پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنی حقیقت پسندانہ رائے کا اظہار بھی کرتے رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل انہوں نے لاس اینجلس (کیلیفورنیا) سے شائع ہونے والے جریدے ''کشمیر ڈائری'' میں شائع ہونے والے اپنے ایک مقالے میں مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی تھی۔ ذیل میں اس مضمون کے چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔

i) جب پہلی بار بھارت مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ لے گیا تو اس کے نمائندے سرگوبالا سوامی آئنگر نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے تین متبادلات **(Options)** پیش کئے تھے۔ یعنی کشمیر

بھارت سے الحاق کرے **(Accede to India)**

پاکستان سے الحاق کرے **(Accede to Pakistan)**

اپنی خودمختاری کو برقرار رکھے **(Reman Independant)**

اس ضمن میں خودمختاری قائم رکھنے **To Remain Independant** کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(کشمیر ڈائری جلد 8 صفحہ 57)

(یاد رہے کہ قانون آزادی ہند کے مطابق تقسیم ہند کے ساتھ ہی تمام ہندوستانی ریاستوں کو خودمختاری حاصل ہوگئی تھی اور اسے برقرار رکھنے کا انہیں اختیار حاصل

تھا۔ سرگوپالا سوامی آئنگر کے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بھارت پہلے دن سے ہی کشمیر کے خودمختار رہنے کے حق کو تسلیم کرتا تھا۔)

ii) کشمیری عوام کے حق خودارادیت کو الحاق تک محدود کرنے سے عوام کے حق خوداختیاری کی نفی ہوجائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کشمیریوں سے کہا جائے کہ وہ پوری آزادی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرسکتے ہیں لیکن وہ آزاد رہنے کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔

"They can choose Independently but they can not choose Independence."

(ایضاً صفحہ 58)

iii) ابتدائی دور میں خودمختاری کے بارے میں دو خدشات موجود تھے۔ ایک خدشہ سرد جنگ نے پیدا کردیا تھا کہ خودمختار کشمیر غیر ملکی جارحیت یا سازشیوں کا شکار ہوجائے گا۔ دوسرا مفروضہ تھا کہ اس طرح کی چھوٹی ریاستوں اپنی خودمختاری قائم نہیں رکھ سکیں گی۔ لیکن یہ دونوں خدشات وقت گزرنے کے ساتھ اب معدوم ہو چکے ہیں۔ کیونکہ درجنوں ایسی ریاستیں مکمل آزادی اور اقتدار اعلیٰ حاصل کرکے اقوام متحدہ کی رکن بن چکی ہیں جو رقبے اور آبادی میں کشمیر سے کہیں چھوٹی ہیں اور ان کی خودمختاری کی تاریخ بھی بہت مختصر اور محدود ہے۔ چنانچہ کشمیر میں اب عوام الناس کے سب طبقوں میں مکمل آزادی و خودمختاری کی خواہش اور حمایت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

(ایضاً صفحہ 58 تا 59)

iv) بین الاقوامی قوانین کے مطابق کسی بھی مسئلہ کے دو فریق باہمی رضامندی سے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے یا ایسا کوئی معاہدہ نہیں کرسکتے جس سے کسی تیسرے

فریق کے حقوق پر زد پڑتی ہو۔ مسئلہ کشمیر کے حوالے سے تیسرا فریق کشمیری عوام ہیں۔

(ایضاً صفحہ 61)

v) برصغیر پاک و ہند میں کشمیر وہ واحد علاقہ ہے جس کے عوام کو آج تک اپنی حیثیت کے تعین کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ جبکہ بقیہ تمام صوبے اور ریاستیں یہ حق استعمال کر چکی ہیں۔ کشمیری کہتے ہیں:

> "Ours is not a secessionist or separatist movement. How can we secede from what we never acceded to or how can we separate from what we never willingly joined."

مفہوم یہ ہے کہ ہماری تحریک علیحدگی پسندی کی تحریک نہیں ہے۔ بھلا ہم کسی ایسے ملک سے علیحدہ کیسے ہو سکتے ہیں جس سے ہم نے کبھی الحاق ہی نہیں کیا اور جس ملک کا ہم کبھی حصہ ہی نہیں رہے اس سے جدا ہونے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟

(ایضاً صفحہ 63)

vi) شری جے پرکاش نارائن بھارت کے ایک واجب الاحترام رہنما ہیں جن کی دانش مندی اور کرداری کی پختگی کی بناء پر ان کے مخالفین بھی انہیں نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ بات بے جا نہ ہوگی اگر کشمیر کے بارے میں ان کے ایک بیان کا حوالہ دیا جائے۔ اس ''دلیل'' کے جواب میں کہ کشمیری عوام کو حق خود ارادیت دینے سے بھارت میں شکست و ریخت کا آغاز ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ اس سے زیادہ احمقانہ بات آج تک نہیں کہی گئی ہے۔ اس دلیل کے پیچھے یہ مفروضہ کارفرما ہے کہ بھارت کے صوبوں کو متحدہ قومی احساس کے تحت نہیں بلکہ

جبر کے ساتھ متحد رکھا گیا ہے۔ یہ مفروضہ ہندوستانی قومیت کو ایک مذاق اور ہند کی مملکت کو ایک ظالم اور جابر طاقت ظاہر کرتا ہے۔''

(ایضاً صفحہ 64)

جناب یوسف بچھ کے محولہ بالا بیان کی شق نمبر (iii) میں انہوں نے کہا ہے کہ:

''درجنوں ایسی ریاستیں مکمل آزادی اور اقتدار اعلیٰ حاصل کر کے اقوام متحدہ کی رکن بن چکی ہیں جو رقبے اور آبادی میں کشمیر سے کہیں چھوٹی ہیں اور جن کی خود مختاری کی تاریخ بھی بہت مختصر اور محدود ہے۔''

بچھ صاحب کے اس نکتہ نظر کو واضح کرنے کی غرض سے ہم یہاں دو ممالک مقدونیہ اور افغانستان کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن میں سے ایک رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے کشمیر سے کہیں چھوٹا ہے اور دوسرے کی خود مختاری کی تاریخ صرف ڈھائی سو سال پر محیط ہے۔

مقدونیہ

سکندر اعظم کا آبائی وطن مقدونیہ جنوب مشرقی یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس کا کل رقبہ 9928 مربع میل ہے اور آبادی 2214000 ہے۔ مقدونیہ کے مشرق میں بلغاریہ مغرب میں البانیہ، جنوب میں یونان اور شمال میں یوگوسلاویہ واقع ہیں۔ دارالحکومت کا نام سکوپجے ہے جس کی آبادی 5 لاکھ 63 ہزار ہے۔ مقدونیہ پر 1389ء سے 1912ء تک سوا پانچ سو سال ترک مسلمانوں نے حکومت کی۔ مقدونیہ نے یوگوسلاویہ سے 8 ستمبر 1991ء کو خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ 1993ء میں اسے اقوام متحدہ کا ممبر بنالیا گیا۔ 1993ء میں ہی پاکستان نے مقدونیہ کو ایک خود مختار ریاست کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ روس اور امریکہ نے اسے 1994ء میں تسلیم کیا۔

گیہوں، کپاس اور تمباکو یہاں کی خاص زرعی پیداوار ہیں۔ صنعتوں میں فولاد اور سیمنٹ کی صنعت قابل ذکر ہے۔ بھیڑیں کثیر تعداد میں پالی جاتی ہیں۔ خواندگی کی شرح 90 فیصد ہے اور فی کس سالانہ آمدن 3110 ڈالر ہے۔

(ورلڈ المانک 1995ء صفحہ 787)

نوٹ۔ پاکستان میں شرح خواندگی 35 فیصد ہے اور فی کس آمدن 410 ڈالر ہے۔

(ورلڈ المانک 1995ء صفحہ 808)

افغانستان

یہ بات قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ کوہستان ہندوکش کے دامن میں پھیلا ہوا افغانستان نام کا کوئی ملک 1747ء سے قبل دنیا کے نقشے پر موجود نہ تھا۔ تب تک یہ علاقہ ہندوستان کی مغلیہ اور فارس کی صفوی سلطنتوں کے تسلط میں منقسم تھا۔

ان دونوں سلطنتوں کے روبہ زوال ہونے کے نتیجہ میں پیدا شدہ صورتحال سے بھرپور استعفادہ کرتے ہوئے پختون قبائل کے ایک بڑے جرگہ نے متفقہ طور پر ایک ایسی قبائلی سیاسی وحدت تشکیل دی جو بادئ النظر میں ایک قبائلی فاؤنڈیشن تھی۔ اس افغان اتحاد کے نتیجہ میں ایک ایسی مملکت وجود میں آئی جسے افغانستان کے نام سے موسوم کیا گیا اور احمد شاہ ابدالی نامی ایک نوجوان قبائلی سردار کو اس کا امیر چن لیا گیا۔

قدیم زمانہ میں اس علاقے کو "آریانہ" اور "باختر" کے نام سے پکارا جاتا رہا ہے اور زمانہ وسطی میں اس کا نام خراسان بھی رہا ہے۔ موجودہ افغانستان کا رقبہ 251825 مربع میل ہے اور آبادی 16903000 ہے۔

تاریخ

5 ویں صدی قبل مسیح میں فارس کے شہنشاہ داریوش نے اس خطے کے ایک حصے پر

اپنا تسلط قائم کیا جبکہ چوتھی صدی قبل مسیح میں سکندر اعظم نے اسے تسخیر کیا۔ اس کے بعد کے ایک ہزار سال تک یہ خطہ مختلف مقامی قبائلی سرداروں میں منقسم رہا۔ ساتویں صدی میں عربوں نے اسے فتح کرلیا۔

آنے والی دو صدیوں کے دوران ایک طاقتور مملکت وجود میں آئی جس کا صدر مقام غزنی تھا۔ محمود غزنوی (971-1030ء) اس دور کا عظیم ترین فرمانروا تھا جس نے فتوحات میں بہت نام پیدا کیا۔ بعد میں غور کے حکمرانوں نے اس کا تختہ الٹ دیا۔ اس کے بعد چنگیز خان اور تیمور لنگ کی زیر کمان منگولوں نے یہاں اقتدار قائم کیا۔

مغل بادشاہ بابر نے 1504ء میں کابل کو دارالحکومت بنا کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ 18 ویں صدی میں پھر فارس کے بادشاہ درانی نے اپنا تسلط قائم کرلیا۔ بادشاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ ابدالی افغانستان کے نام سے قائم ہونے والے نئے ملک کا سربراہ بن گیا۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ درانی کا اضافہ کرلیا۔

19 ویں صدی میں افغانستان روسی اور برطانوی ایمپائرز کے درمیان ایک بفرسٹیٹ کی صورت اختیار کر گیا۔ 42-1839ء اور 79-1878ء کی دو افغان جنگوں میں برطانوی افواج سے افغانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔

1883ء ہندوستان اور افغانستان کے درمیان ڈیورنڈ لائن کو مستقل سرحد تسلیم کر لیا گیا۔ 1907ء میں ایک باہمی معاہدے کے تحت روسی حکومت نے افغانستان کی خودمختاری کی ضمانت دی۔ 1926ء میں امیر امان اللہ خان افغانستان کا بادشاہ بن گیا لیکن اس کی اصلاحات کے شدید ردعمل کے نتیجے میں 1929ء میں اسے تخت چھوڑنا پڑا۔ اس کے جانشین نادر شاہ کو 1933ء میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ظاہر شاہ بادشاہ بن گیا۔

ٹھیک 40 سال بعد 17 جولائی 1973ء کو افغانستان میں ظاہر شاہ کی بادشاہت اختتام کو پہنچی۔ ملک کو جمہوریہ قرار دیا گیا اور سردار داؤد نئی جمہوریہ کا پہلا صدر بن گیا۔

اپریل 1978ء میں نور محمد ترکئی نے سردار داؤد کا تختہ الٹ دیا اور خود ملک کا صدر بن گیا۔اس تبدیلی کو ''انقلاب ثور'' کا نام دیا گیا۔

ستمبر 1979ء میں نور محمد ترکئی نے استعفیٰ دیا اور حفیظ اللہ امین جمہوریہ کا صدر قرار پایا۔

دسمبر 1979ء میں دارالامان پیلس پر روسی ہوائی حملہ کے نتیجہ میں حفیظ اللہ امین ہلاک ہوگیا اور اس کی جگہ ببرک کارمل نے صدر مملکت کا عہدہ سنبھالا۔

افغانستان بدستور انقلابات کی زد میں ہے اس وقت افغانستان کے بیشتر علاقوں پر طالبان کی حکومت کا قبضہ ہے جبکہ شمالی افغانستان پر احمد شاہ مسعود کا اقتدار قائم ہے۔
افغانستان میں شرح خواندگی 29 فیصد ہے اور فی کس سالانہ آمدن 200 ڈالر ہے۔

(عبدالرحمٰن، روئیداد افغانستان ورلڈ المانک 1995)

سولھواں باب

سینہ چاکان چمن کا ملاپ

نومبر 2000ء کے تیسرے ہفتے میں ریاست جموں وکشمیر کی سیاسی زندگی میں ایک ایسا معجزہ رونما ہوا جس نے پوری ریاست کی سیاسی فضا میں ایک خوشگوار ارتعاش پیدا کردیا۔کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین جناب امان اللہ خان کی صاحبزادی اسماء خان کی شادی خانہ آبادی پیپلز کانفرنس کے صدر خواجہ عبدالغنی لون کے فرزند سجاد لون سے قرار پائی تھی۔اس تقریب سعید میں شرکت کے لئے امان اللہ خان صاحب نے بھارت کے مقبوضہ جموں وکشمیر سے بعض اہم سیاسی وصحافتی شخصیات کو دعوت دے رکھی تھی۔مدعوئین میں سے جن حضرات کو اس تقریب میں شرکت کے لئے بھارتی اور پاکستانی حکومتوں نے سفری دستاویزات جاری کیں ان میں خواجہ عبدالغنی لون، جناب وید بھسین چیف ایڈیٹر کشمیر ٹائمز جموں، جناب کرشن دیوسیٹھی، جناب بھوشن بزاز اور جناب طاہر محی الدین ایڈیٹر چٹان سرینگر شامل تھے۔ان حضرات نے پاکستان اور آزاد کشمیر میں اپنے قیام کے دوران مختلف

مواقع پر اپنی ملاقاتوں اور بیانات میں کشمیر کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جس سے مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی۔ ذیل کی سطور میں ہم ان قابل احترام شخصیات کے افکار وخیالات کا خلاصہ پیش کررہے ہیں تاکہ یہ بات قارئین پر آشکارہ ہو جائے کہ ریاست جموں کشمیر کے مختلف خطوں میں رہنے والے محب وطن عوام میں وطن عزیز کے مستقبل کے بارے میں کس قدر ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ریاست کے دیگر رہنماؤں کے مختلف اوقات میں دیئے گئے بیانات کی جھلکیاں بھی پیش کی جارہی ہیں۔

خواجہ عبدالغنی لون صدر جموں کشمیر پیپلز کانفرنس

21 نومبر **2000**ء کو راولپنڈی میں اپنے بیٹے سجاد لون کی شادی کی تقریب کے موقعہ پر صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ:

''کسی صورت میں ریاست جموں کشمیر کے حصے بخرے نہیں ہونے دئے جائیں گے اور ریاست کو متحد کر کے ہی دم لیا جائے گا۔''

(روزنامہ جذبہ 22 نومبر 2000ء)

22 نومبر کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''جنگ بندی لائن کی خونی لکیر کشمیریوں کی قربانیوں سے ختم ہو کر رہے گی اور متحدہ ریاست کا خواب ضروری پورا ہوگا۔''

(روزنامہ اوصاف 23 نومبر 2000)

میر پور کے مقام پر جمعیت العلمائے جموں کشمیر کے صدر کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے عبدالغنی لون نے کہا:

''جموں کشمیر ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان ہونے والے معاہدات کو کشمیری تسلیم نہیں کرتے۔''

(روزنامہ اوصاف 27 نومبر 2000)

30 نومبر **2000**ء کو مظفر آباد میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے خواجہ عبدالغنی لون نے کہا:

''سہ فریقی مذاکرات کے بغیر مسئلہ کشمیر پر بات چیت کا عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کشمیر میں ہونے والے مظالم کی مذمت کرتا ہے اور کشمیری عوام کے حق خودارادیت کا حامی ہے لیکن جب ساتھ ہی شہ رگ کی بات کی جاتی ہے تو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے تحت کشمیریوں کی حمایت کررہے ہیں۔''

(جنگ یکم دسمبر 2000ء)

یکم دسمبر **2000**ء کو مظفر آباد سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہم چاہتے ہیں کہ **15** اگست **1947**ء والی ریاست بحال کر دی جائے بھارت نے دنیا میں اپنے آپ کو ایک جمہوریت کے طور پر منوایا ہے جبکہ پاکستان میں جمہوریت کی جڑیں کھوکھلی ہو گئی ہیں۔ مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کے حالات میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہاں ہندو حاکم ہیں اور یہاں مسلمانوں کی حاکمیت ہے۔ غاصب ہندو ہو یا مسلمان غاصب ہی ہوتا ہے۔''

4 دسمبر **2000**ء کو اسلام آباد میں ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہم ریاست جموں کشمیر کے صرف مسلمانوں کی آزادی کی بات نہیں

کرتے بلکہ تمام مذاہب کے لوگوں کی آزادی کی بات کرتے ہیں
ہماری خواہش ہے کہ 1947ء کی اصلی ریاست جموں وکشمیر کو متحد کیا جائے تا کہ یہاں کے عوام مل کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔ پاکستان اور بھارت دونوں کشمیریوں کو اپنے مستقبل کے فیصلے کا حق دینے کے پابند ہیں۔''

(روزنامہ پاکستان 5 دسمبر 2000ء)

5 دسمبر کو خواجہ عبدالغنی لون نے کہا:

''اٹوٹ انگ اور شہ رگ کے نعرے ماضی کا قصہ ہیں۔ بھارت کو معقول رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ریاست کے حصے بخرے نہیں ہونے دیئے جائیں گے۔ گلگت بلتستان جموں کشمیر کا حصہ ہے۔ جس کو کبھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں ملک اٹوٹ انگ اور شہ رگ کے نعرے لگا کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ انہیں کشمیر کی سرزمین سے مطلب ہے، وہاں کے عوام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس بات کا فیصلہ کشمیری عوام کو کرنا ہے کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا۔''

(روزنامہ پاکستان 6 دسمبر 2000ء)

پاکستان آنے سے پہلے سری نگر میں پیپلز کانفرنس کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے خواجہ عبدالغنی لون نے شرح وبسط کے ساتھ کشمیری عوام کے نصب العین اور پیپلز کانفرنس کے موقف پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تھا:

''ہم غلامی کو مقدر کا لیکھ جان کر اس پر قناعت کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ہم قوموں کی برادری میں آزاد وخود مختار اکائی کے طور پر اپنا نام

درج کرانے کے جذبہ سے سرشار ہیں۔''

''آزادی کی تحریکوں میں دو ہی فریق ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے ہیں۔ ایک فریق آزادی کے طلبگاروں کا اور دوسرا فریق آزاد کا غاصب۔ ہماری حالت اس کے برعکس ہے۔ یہاں ایک طرف دو طاقتیں کشمیر پر آپس میں متصادم ہیں اور دوسری طرف ہم ہیں جو آزادی کے طلبگار ہیں۔ اس انوکھی صورتحال کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ ہماری تحریک تمام تر قربانیوں کے باوجود ان دو متصادم ممالک کے مابین سرحدی جھگڑے کا رنگ اختیار کر گئی ہے۔''

''بدقسمتی سے بھارت اور پاکستان کے حکمران قومی سطح پر اپنے اپنے حالات اور ایک دوسرے کے خوف سے عدم تحفظ کے غلام بن چکے ہیں۔ ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ چھوٹی چھوٹی پالیسیوں کا تعین دونوں ملکوں کی خفیہ ایجنسیاں کر رہی ہیں نہ کہ سیاسی قیادت۔''

''کشمیر کو انسانی مسئلہ سمجھنے کی بجائے دونوں ہی ملکوں میں اسے ہمیشہ ایک سیاسی کارڈ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور ایک قوم کے حق آزادی کی بجائے اسے اپنی خودغرضانہ جذباتیت کی بھینٹ چڑھا کر اٹوٹ انگ اور شہ رگ کی تھیوری اپنائی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ فہم وادراک اور حقیقت پسندی کی جگہ جارح اور جنگ جویانہ وطن پرستی نے لے لی ہے۔''

''زور اور زبردستی سے کشمیریوں کو زیر نہیں کیا جا سکتا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دہلی اور اسلام آباد اپنی آن منوانے کے لئے کشمیر کو اپنے دنگل کا اکھاڑہ بنائے رکھیں۔''

"آنے والے ایام میں مسئلہ کشمیر کو حتمی طور پر حل کرنے کے لئے بامعنی مذاکرات پھر سے شروع ہو سکتے ہیں لیکن اس بات کو ذہن نشین کرنا ہوگا اور یہی پیغام دوسروں تک پہنچانا ہوگا کہ صبر و ثبات اور ہمت و حوصلہ سے کام لے کر بہت جلد ہم اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے اور کامیابی انشاءاللہ ہمارے قدم چومے گی۔"

(ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی 14 تا 20 نومبر 2000ء)

8 سال قبل اپریل 1992ء میں بھارتی جیل سے رہا ہونے کے بعد حریت کانفرنس کے رہنماؤں پروفیسر عبدالغنی بٹ (مسلم کانفرنس) عبدالغنی لون (پیپلز کانفرنس) اور مولوی عباس انصاری (اتحاد المسلمین) نے جمعہ کے روز پہلی بار جامع مسجد سری نگر میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ

- 10 سال کے لئے ریاست جموں کشمیر کو اقوام متحدہ کی نگرانی میں دے دیا جائے۔
- کشمیر کے دونوں جانب کے عوام اور رہنماؤں کو آپس میں ملنے اور آزادانہ ماحول میں اپنے بارے میں سوچنے کا موقع دیا جائے۔
- بھارتی حکومت فوری طور پر مظالم بند کرے اور جگ موہن کی سازش کے تحت جو غیر مسلم ترک وطن کر کے گئے تھے، انہیں واپس آ کر کشمیر میں تحریک آزادی میں شامل ہونے کی خواہش کے راستے میں مشکلات نہ کھڑی کی جائیں۔

سعودی عرب کے کثیر الاشاعت اخبار "عرب نیوز" میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق ان رہنماؤں نے اعلان کیا کہ وہ متحد ہو کر جدوجہد آزادی کو جاری رکھیں گے۔ اخبار کی نمائندہ ثریا قاسم کی اطلاع کے مطابق اجتماع میں عوامی ایکشن کمیٹی کے چیئرمین عمر فاروق اور پیپلز لیگ کے شبیر شاہ گروپ کے ایک لیڈر بھی شامل تھے۔ جماعت اسلامی کے رہنما علی شاہ گیلانی نے علالت کی بناء پر معذوری ظاہر کی۔ تاہم گیلانی صاحب

اور قاضی نثار کی عدم شرکت معنی خیز محسوس کی جا رہی ہے۔

(روزنامہ آزادی 30 اپریل 1992)

جناب وید بھسین چیف ایڈیٹر روزنامہ کشمیر ٹائمز جموں

"کشمیر بھارت کی کالونی نہیں ہے۔ بھارت کو اپنا نو آبادیاتی رویہ چھوڑ دینا چاہئے۔ ایک خود مختار آزاد وفاقی جمہوریہ جموں کشمیر برصغیر پاک و ہند میں امن اور ترقی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ بھارت سے آزادی جموں کشمیر کے عوام کا بنیادی حق ہے۔ بھارت نے اس حق کو دبا کر کشمیر کے مسئلے کو جنوبی ایشیا کے امن کے لئے شدید خطرے کا باعث بنا دیا ہے۔ کشمیر کے مسئلہ کا حل بندوق سے نہیں پرامن طریقہ سے ہی ممکن ہے۔" (سری نگر میں "نیو ورلڈ آرڈر میں کشمیر کا مستقبل اور ہماری ذمہ داری" کے موضوع پر سیمینار میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے خطاب۔)

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 3 اپریل 1999ء)

"کشمیر میں جاری قتل و غارت مسئلہ کشمیر کا حل نہیں ہے۔ بھارت اور پاکستان دس سال کے لئے اپنی افواج نکال کر اسے آزاد کر دیں دونوں اطراف کی منتخب قیادت پر مشتمل جوائنٹ کونسل بنائی جائے جو کشمیر کے لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے میں اپنا کردار ادا کرے اس کے بعد عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے۔"

(کے پی آئی کے نمائندے کو انٹرویو)

(روزنامہ احساس 25 نومبر 2000ء)

"آزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے کشمیری عوام 53 سال سے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے حق سے محروم ہیں اور پچھلے 11 سال سے عظیم قربانیاں دی جا رہی ہیں۔ کشمیریوں نے اپنے خون سے تاریخ رقم کی ہے ان کا یہ خون رائیگاں نہیں جائے گا۔" (30 نومبر 2000ء کو مظفر آباد میں ایک جلسہ عام سے خطاب)

(روزنامہ جنگ یکم دسمبر 2000ء)

"کشمیری قوم کی مرضی کے بغیر ان پر کوئی فیصلہ مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ کشمیریوں کو مکمل خودمختاری کا حق حاصل ہے۔" (2 دسمبر 2000ء کو میرپور میں طلبہ کے ایک وفد سے بات چیت)

(روزنامہ پاکستان 3 دسمبر 2000ء)

جناب کرشن دیو سیٹھی

سرزمین میرپور کے نامور فرزند کرشن دیو سیٹھی نے میرپور میں شہریوں کے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ نہایت مبارک موقعہ ہے کہ کنٹرول لائن کی خونی لکیر کو ضرب لگا کر ہمیں اس دھرتی پر قدم رکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ انہوں نے میرپور کے عظیم لوگوں کو سلام پیش کرتے ہوئے کہا: "ہم آزادی کے متوالے ہیں ہم نے انگریز کی غلامی اور ریاست کے شخصی راج کے خلاف جدوجہد کی ہے ہمیں ریاست پر کھینچی ہوئی خونی لکیر کو توڑنا ہے اور دشمنوں کی شاطرانہ چالوں کو ناکام بنانا ہے۔ کشمیر کی آزادی کشمیریوں کا بنیادی حق ہے۔ اس مسئلہ کے اصل فریق صرف کشمیری عوام ہیں۔

(روزنامہ جنگ 28 دنومبر 2000ء)

پنڈت بھوشن بزاز۔ صدر جموں کشمیر ڈیموکریٹک فرنٹ

"کشمیری کسی خاندان کی جاگیر نہیں ہے بلکہ سوا کروڑ کشمیریوں کا وطن ہے اس کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے مجاز صرف کشمیری عوام ہیں۔"

(نئی دہلی میں جاری کردہ ایک اخباری بیان)

(روزنامہ اوصاف 24 فروری 2000ء)

"ریاست کے بکھرے ہوئے حصوں کو متحد کیا جانا چاہئے اور موجودہ تحریک کو مذہبی رنگ نہیں دیا جانا چاہئے، تبھی کشمیر کی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔"

میرپور میں سیاسی کارکنوں کے ایک وفد سے بات چیت

(روزنامہ پاکستان 3 دسمبر 2000ء)

میر واعظ عمر فاروق۔ سابق چیئرمین کل جماعتی حریت کانفرنس

"جب ہم مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو ہم ریاست کے دونوں خطوں میں 1947 کی پوزیشن کی بحالی چاہتے ہیں۔ ریاست کی بازیابی ہونی چاہئے۔ پھر اگر اقوام متحدہ بھی کچھ عرصہ کے لئے اس کا انتظام سنبھال لے اور پھر یہاں رائے شماری کرائی جائے تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔ لیکن کشمیریوں کی شرکت کے بغیر دو ممالک (بھارت اور پاکستان) اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔" (بیرونی دورہ سے واپسی پر ایک خصوصی انٹرویو میں صحافی مقبول ساحل کے ایک سوال کا جواب۔)

(ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی 6-12 فروری 1991)

''پاکستان اور بھارت دونوں کشمیر پر اپنا قبضہ چھوڑ دیں اور ریاست کو پھر سے متحد کر دیا جائے۔ ریاست کے ایک تہائی حصے پر پاکستان کا قبضہ بھی غیر قانونی ہے۔ امن مذاکرات میں اس پر بھی بات ہونی چاہئے۔ میں اس علاقہ کو پاکستان کی پراپرٹی نہیں سمجھتا۔ یہ بھی متنازعہ ہے اور ہم اس پر بھی بات کریں گے کشمیر کے دونوں حصوں کا اتحاد ضروری ہے۔ سیز فائر لائن کو ختم ہونا چاہئے۔ یہ لائن کشمیر کی زمین میں سے نہیں بلکہ کشمیریوں کے دلوں کو چیرتی ہوئی گزرتی ہے۔'' (سری نگر میں دیئے گئے ایک انٹرویو کا اقتباس)

(ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی 28 نومبر۔4 دسمبر 2000ء)

''اگر سہ فریقی مذاکرات کے سلسلے میں بھارت کو کسی مسئلہ کا سامنا ہے تو حریت کانفرنس اس بات کے لئے تیار ہے کہ دونوں ملکوں بھارت اور پاکستان سے الگ الگ مذاکرات کرے۔'' (27 نومبر 2000ء کو سری نگر میں ایک غیر ملکی نیوز ایجنسی کو انٹرویو)

(ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی 5 تا 11 دسمبر 2000ء)

غلام نبی فائی۔ چیئرمین کشمیر امریکن کونسل

''بھارت اور پاکستان دونوں کی کشمیر پر پوزیشن یکساں ہے۔ دونوں کشمیر کو اپنا حصہ سمجھتے ہیں جبکہ کشمیری عوام خود مختار کشمیر کے حامی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ بھارت اور پاکستان اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ کر کشمیری عوام کو ان کا حق دیں۔'' (21 مارچ 2000ء کو بی بی سی اردو سروس سے گفتگو)

(روزنامہ اوصاف 22 مارچ 2000ء)

ڈاکٹر کرن سنگھ سابق صدر ریاست جموں کشمیر

''مہاراجہ ہری سنگھ بھارت کے ساتھ الحاق کے خلاف تھے۔ انہوں نے کشمیر کی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اس ضمن میں انہوں نے برصغیر کی دو نوزائیدہ مملکتوں پاکستان اور بھارت سے معاہدہ قائمہ (Stand Still) کی پیشکش کی تھی۔ پاکستان نے یہ پیشکش قبول کر کے معاہدہ کر لیا۔ جبکہ بھارت نے ابھی جواب ہی نہیں دیا تھا کہ پاکستان کی جانب سے کشمیر میں مسلح قبائلی دستوں نے یلغار کر دیا جس کے باعث کشمیر کا سیاسی منظر ہی بدل گیا۔'' (دہلی میں بھارت کے ساتھ کشمیر کے نام نہاد الحاق کی 52 ویں سالگرہ پر سیمینار سے خطاب)

(روزنامہ آواز 30 اکتوبر 1999ء)

اس سے قبل نومبر 1991ء میں ڈاکٹر کرن سنگھ نے ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ

''اگر میں 1947ء میں کشمیر کا مہاراجہ ہوتا تو بھارت کے ساتھ الحاق نہ کرتا اور اگر میرے والد کو یہ معلوم ہوتا کہ کشمیر کا بھارت سے الحاق کرنے سے یہ حشر ہوگا تو وہ کبھی الحاق نہ کرتے۔''

روزنامہ وادی کی آواز کے مطابق ڈاکٹر فاروق عبداللہ کشمیر میں 1953ء کی پوزیشن بحال کرنا چاہتے ہیں، لیکن کرن سنگھ کہتے ہیں:

''کیوں نہ جموں کشمیر کی 1947ء والی پوزیشن بحال کی جائے جبکہ کشمیر ایک خود مختار سٹیٹ تھی۔''

ان کی خواہش ہے کہ ریاست کو دوبارہ متحد کیا جائے اور پھر پوری ریاست کو اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

(ہفت روزہ انصاف 27 نومبر تا 3 دسمبر 1991)

اجیت شاتر و سنگھ۔ ڈاکٹر کرن سنگھ کے فرزند، کشمیر کے وزیر سیاحت

''میرے دادا مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کو خود مختار سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ مگر 1947ء کے حالات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ پاکستان کی غلطی کی وجہ سے کشمیر کو خود مختار حیثیت سے برقرار نہ رکھا جا سکا۔ جس کی وجہ سے بھارت نے گزشتہ پچاس سال سے کشمیریوں کو غلام بنائے رکھا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کشمیر کی خود مختاری کی طرف پیش قدمی کریں۔'' (22 جون 2000ء کو جموں کشمیر کی اسمبلی اور کونسل کے مشترکہ اجلاس سے خطاب)

(ہفت روزہ کشمیر 11 تا 17 جولائی 2000ء)

حال ہی میں کشمیر کی 23 آزادی پسند تنظیموں کے متحدہ سیاسی فورم کل جماعتی حریت کانفرنس کی مجلس عاملہ نے جس کا اجلاس چیئرمین عبدالغنی بٹ کی صدارت میں 12 فروری 2001ء کو منعقد ہوا، ایک پالیسی بیان میں واضح کیا ہے کہ کشمیر مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ سیاسی مسئلہ ہے۔ ایک خصوصی اعلان میں حریت کانفرنس نے بھارت اور پاکستان کے انتہا پسند عناصر پر نکتہ چینی کی ہے جو حالیہ امن کی کوششوں کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔ حریت کانفرنس کی نظر میں یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ کشمیر کو مذہبی مسئلہ قرار دینا ایک منفی سوچ ہے کیونکہ کشمیر دراصل ایک سیاسی مسئلہ ہے۔

اطلاعات کے مطابق مجلس عامہ کے اس اجلاس میں حریت کانفرنس کے سابق

چیئرمین، جماعت اسلامی کے سید علی شاہ گیلانی شامل نہیں تھے۔

(ہفت روزہ کشمیر 20 تا 26 فروری 2001ء)

لیکن اس کے فوراً بعد علی شاہ گیلانی نے مسئلہ کشمیر کو ملت اسلامیہ کا مسئلہ قرار دیا۔

حتیٰ کہ یوم پاکستان کے موقعہ پر سری نگر سے ٹیلیفون پر اسلام آباد میں جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے نائب امیر غلام نبی نوشیری سے بات چیت کرتے ہوئے پاکستانی عوام کو مبارکباد دی اور اس ''عزم'' کا اظہار کیا کہ لازوال جدوجہد کے نتیجہ میں کشمیر جلد آزاد ہو کر ملت اسلامیہ پاکستان کا حصہ بنے گا۔

سترھواں باب

منزل ما دور نیست

پچھلے صفحات میں دی گئی تفصیلات سے یہ بات بڑی حد تک واضح ہو گئی ہے کہ جموں کشمیر کے طول و عرض میں ریاست کے مستقبل کے بارے میں ایک مثبت اور واضح تصور ابھر کر سامنے آ گیا ہے۔ کشمیری عوام کی غالب اکثریت کو ایک آزاد و خودمختار اور غیر جانبدار جمہوری مملکت کی شکل میں اپنی منزل سامنے نظر آ رہی ہے۔ کشمیر کے 53 سالہ قضیہ کا واحد قابل عمل اور پائیدار حل یہی ہے کہ اسے ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے وجود میں آنے دیا جائے اور دونوں پڑوسی ممالک اپنی اپنی افواج یہاں سے نکال کر کشمیریوں کو اپنی قسمت اپنے ہاتھوں سنوارنے کا موقع دیں۔ اس طرح وجود میں آنے والی نئی مملکت نہ صرف ڈیڑھ کروڑ کشمیری عوام کی آرزوؤں اور امنگوں کی تعبیر ہو گی بلکہ اس سے برصغیر جنوبی ایشیا کے ممالک میں بسنے والے ایک ارب سے زائد عوام کے لئے تعمیر و ترقی کے ایک شاندار اور ک دور کا آغاز ہو سکے گا۔

ہماری نظر میں 84470 مربع میل پر پھیلی ہوئی ریاست جموں کشمیر کے مستقبل



کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ یہاں ایک مکمل طور پر آزاد و خودمختار مملکت کا قیام عمل میں لایا جائے جو اپنے کردار کے لحاظ سے خالصتاً سیکولر ہو۔ جس کی بنیاد مسلمہ جمہوری اقدار کے اصولوں پر استوار کی گئی ہو۔ جس کی تمام علاقائی اکائیوں کو اندرونی طور پر مکمل خودمختاری حاصل ہو۔ جس میں مرکز کے پاس وفاق میں شامل تمام اکائیوں یا ریاستوں کی تائید اور منظوری سے محض محدود اختیارات ہوں اور بقیہ تمام اختیارات علاقائی اسمبلیوں کو حاصل ہوں۔ جس میں مرکز کی طرف سے تمام قومیتوں اور لسانی اور مذہبی گروہوں کو عقیدے اور عمل کے تحفظ کی یقین دہانی موجود ہو۔ جس میں تمام لسانی، علاقائی، مذہبی اور نسلی تعصبات سے پاک صحت مند انسانی، اخلاقی اور جمہوری قدروں پر مشتمل معاشرے کی تعمیر کی جا سکے اور جس کے تمام پڑوسی ممالک سے برابری کی بنیاد پر دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہوں۔

ریاست جموں کشمیر میں درج بالا خطوط پر ایک آزاد و خودمختار جمہوری مملکت کے قیام کے حق میں نہایت مستحکم اور ناقابل تردید جواز موجود ہیں۔ مثلاً:

O کشمیر ہزاروں سال سے تاریخی طور پر ایک آزاد مملکت کے طور پر موجود رہا ہے۔ راج ترنگنی کی شکل میں ارض کشمیر کی گزشتہ 5100 سال کی مربوط تاریخ موجود ہے۔ ورود اسلام سے قبل 162 غیر مسلم راجاؤں نے ایک تسلسل کے ساتھ اس پر حکمرانی کی جن میں سے سوائے اشوک، کنشک اور بکرماجیت کے سبھی کشمیری الاصل تھے۔ 1362ء میں مسلمان سلاطین کا دور شروع ہوا جو 1586ء میں مغلوں کی جارحیت کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ اس دوران 37 سلاطین نے حکمرانی کی جو سب کے سب کشمیری تھے۔ ان ادوار میں کشمیر میں للتادت، اونتی ورمن سلطان شہاب الدین اور سلطان زین العابدین جیسے اولوالعزم فرمانروا گزرے ہیں جن کے نام تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف میں لکھے جائیں گے۔ ان کا

تفصیلی ذکر پانچویں باب میں آچکا ہے۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

O گزشتہ 2000ء سال کی تاریخ میں کشمیر صرف 260 سال (یعنی 13 فیصد مدت) غیر ملکی غلامی میں رہا ہے اور بقیہ 1740 سال (یعنی 87 فیصد مدت) آزاد و خودمختار رہا ہے۔

O 1947ء میں اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کی کل تعداد 54 تھی جبکہ اب یہ تعداد بڑھ کر 191 ہو چکی ہے یعنی اس دوران دنیا کے 137 ممالک آزاد اقوام کی صف میں شامل ہو چکے ہیں۔

O اقوام متحدہ کے ممبر ممالک میں سے کشمیر رقبہ کے لحاظ سے 111 ممالک سے اور آبادی کے لحاظ سے 131 رکن ممالک سے بڑا ملک ہے۔

O بین الاقوامی جائزوں کے مطابق 72 سے 81 فیصد کشمیری عوام اپنے ملک کی آزادی و خودمختاری کے خواہاں ہیں۔

O جغرافیائی طور پر ریاست جموں کشمیر بھارت اور پاکستان دونوں سے بالکل الگ خطہ ارضی ہے جسے فلک بوس کوہستانی سلسلوں نے ان دونوں ممالک کے علاوہ دیگر پڑوسی ممالک سے جدا کر رکھا ہے۔

O کشمیر کو قدرت نے بے پناہ معدنی اور دیگر وسائل سے مالا مال کر رکھا ہے۔ آزاد ہونے کے بعد تھوڑی ہی مدت میں یہ ملک اقتصادی ترقی کے اوج کمال کو پہنچ سکتا ہے۔

O کشمیر کی خودمختاری کے حق کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح 17 جون 1947ء، 18 جولائی 1947ء اور 30 جولائی 1947ء کو اپنے واضح اور غیر مبہم بیانات کے ذریعہ تسلیم کر چکے ہیں جبکہ اقوام متحدہ میں بھارت کے مستقل نمائندے گوپالا سوامی آئینگر نے 15 جنوری 1948ء کو اور وزیراعظم ہند پنڈت

جواہرلعل نے 19 اگست 1959ء کو کشمیری عوام کے اس حق کو تسلیم کیا ہے۔

- o کشمیر کی شرح خواندگی بھارت اور پاکستان دونوں سے زیادہ ہے زمانہ قدیم سے ہی اس ملک کو حکمت و دانائی کی سرزمین قرار دیا جاتا رہا ہے۔
- o جب تک مسئلہ کشمیر حل نہیں ہو جاتا بھارت اور پاکستان کے آسمانوں پر جنگ و جدل اور نفرتوں کے بادل چھائے رہیں گے۔ جبکہ اس مسئلے کا آبرومندانہ اور پائیدار حل عمل میں آنے کے نتیجے میں دونوں ہمسایہ ممالک میں امن و آشتی، بھائی چارہ اور دوستی کی فضا قائم ہو جائے گی اور دونوں ملکوں کے بے پناہ وسائل جنگ و جدل کی بجائے قومی ترقی اور عوام کی بہبود پر خرچ ہو سکیں گے۔
- o گزشتہ 53 سال کی جبری تقسیم نے کشمیری عوام کو گوناگوں معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مسئلہ حل ہو جانے سے عوام کے ان تمام مصائب اور مسائل کا خاتمہ ہو جائے گا۔
- o کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی پشت پر ادارہ اقوام متحدہ کی مجموعی طاقت ہے۔ اقوام متحدہ درجن بھر قراردادیں اس مضمون کی اتفاق رائے سے منظور کر چکی ہے کہ ''کشمیری عوام کو اپنے ملک کے مستقبل کا تعین کرنے کا حق دیا جائے گا۔'' اقوام متحدہ کے باب میں اس کا تفصیلی ذکر آ چکا ہے۔

پس چہ باید کرد

اقوام متحدہ کے فیصلے اور کشمیریوں کے حق خودارادیت کے لئے بین الاقوامی ضمانت تب تک کام نہیں آئے گی جب تک ان فیصلوں اور ان ضمانتوں کو روبہ عمل لانے کے لئے اقوام متحدہ پر دباؤ نہیں بڑھایا جائے گا۔ یہ کام کون کرے گا؟ تقسیم شدہ ریاست کے دونوں حصوں میں جو حکومتیں قائم ہیں، وہ دونوں قابض قوتوں کی آلہ کار ہیں۔ ان میں سے

کسی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹائیں گی، بے سود ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کے آقایان ولی نعمت ناراض ہو جائیں گے اور انہیں اقتدار سے الگ کر دیں گے۔

آج تک دنیا میں آزادی کی جتنی تحریکیں چلی ہیں ان کے نمائندے اقوام متحدہ کے ایوانوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کشمیر ایسا واحد بدقسمت خطہ ہے جس کے ارباب اختیار نے یہ کام اپنے ''وکیلوں'' کے سپرد کر رکھا ہے۔ وکیل خود اس خطہ ارضی کی ملکیت کے دعویدار بن گئے ہیں، بھلا وہ کشمیری عوام کے حقوق کی بات کیوں کریں گے۔

اندریں حالات دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے محبّ وطن کشمیریوں کے کرنے کا ایک ہی کام رہ گیا ہے کہ اقوام متحدہ کے طے شدہ فیصلوں پر عملدرآمد کرانے کے لئے ایک آواز پیدا کر کے براہ راست اقوام متحدہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ جب تک کشمیری عوام کے حقیقی نمائندے سلامتی کونسل میں پہنچ کر اپنا مقدمہ خود پیش نہیں کریں گے، بات نہیں بنے گی۔

کشمیری زبان کے ہمارے ایک قومی شاعر مہجور نے کہا تھا:

چھ بولان جانور باغس مگر آواز چھکھ بیون بیون
خدایا آلون یہندین اثر یکساں پیدا کر

(یعنی باغ میں مختلف پرندے نغمہ خواں ہیں مگر سب اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں۔ اے خدا تو ان کے نالہ و فریاد میں یکساں اثر پیدا کر دے)

صورتحال یہ ہے کہ کچھ قابض حکمران طبقات نے اور کچھ لیڈر حضرات کی ذاتی اغراض نے کشمیری عوام کو بے شمار ٹکڑیوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بھانت بھانت کی بولیوں نے ایک کنفیوژن پیدا کر رکھا ہے جس نے کشمیریوں کی قومی انا کو مجروح کر رکھا ہے عالمی رائے عامہ انگشت بدنداں ہے کہ کس کی بات سنے کس کی نہ سنے۔ جب تک کشمیری قوم

یکجان و یک زبان ہو کر اپنا مسئلہ حل کرنے کے لئے خود آگے نہیں آئے گی، بات نہیں بنے گی۔

بعض مفاد پرست عناصر نے عوام الناس کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ کوئی صلاح الدین ایوبی کوئی محمد بن قاسم کوئی مسیحا آئے گا اور عوام کو تمام مصائب سے نجات دلائے گا۔ یہ سب خوابوں کی باتیں ہیں عوام کو سہانے خوابوں میں سے نکل کر حقیقتوں کی دنیا میں آنا چاہئے۔ کوئی غازی، کوئی قاسم، کوئی طارق اب باہر سے نہیں آئے گا۔ جو انقلاب بھی آئے گا اندر سے ہی آئے گا۔ اپنے آپ کو بیدار اور منظم کرنا ہوگا تبھی منزل مقصود ہاتھ آئے گی۔

ارشاد خداوندی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْ مَابِاَنْفُسِہِمْ

(اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تبدیلی نہیں لاتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔"

اسی مفہوم کو عظیم شاعر الطاف حسین حالی نے اس طرح نظم میں پرویا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اور انگریزی زبان میں "سیمیون سیموئل فرگ" نے یہی پیغام ان خوبصورت اشعار میں نظم کیا ہے:

NO SAVIOR FROM WITHOUT CAN COME
FOR THOSE THAT LIVE AND ARE ENSLAVED
THEIR OWN MESSIAH THEY MUST BE
AND PLAY THE SAVIOR AND BE SAVED.

(Simeon Semoil Frug)

"جو لوگ زندہ تو ہیں لیکن غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں انہیں بچانے کے لئے کوئی نجات دہندہ باہر سے نہیں آئے گا انہیں اپنا مسیحا خود بن جانا چاہئے اور نجات دہندہ کا کام سنبھال کر خود کو بھی نجات دلانی چاہئے۔"